اس نمبر کا

خاص مضمون

اطالوی مستشرقہ پروفیسر وگلیری کی کتاب

"An Interpretation of Islam"

کا مکمل اردو ترجمہ یعنی اسلام پر ایک نظر

ادارہ تحریر

ایڈیٹر:- ابوالعطاء جالندھری

نائب ایڈیٹر:- مسعود احمد بی اے - خورشید احمد شاد مولوی فاضل

سالانہ قیمت پیشگی

پاکستان:- پانچ روپے

بیرونی ممالک:- سات روپے یا بارہ شلنگ

فضائل قرآن مجید

(کلامِ جلیل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اسقدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے

ضمیمہ الفرقان ستمبر اکتوبر ۱۹۵۷ء

یعنی

اطالوی پروفیسر

ڈاکٹر وگلیری کی کتاب کا اردو ترجمہ!

از

جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الفرقان۔ ربوہ (پاکستان)

(قیمت مع محصول ڈاک ایک روپیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

یہ کتاب جس کا نام AN INTERPRETATION OF ISLAM ہے۔ ڈاکٹر وگلیری کی تصنیف ہے۔ جو نیپلز یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر ہیں۔ اصل کتاب اطالوی زبان میں ہے۔ جو ۱۹۲۵ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔ پھر ڈاکٹر آلڈو کسیلی ایسے فاضل اور مشہور ادیب نے اطالوی زبان سے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا۔ جسے محترم ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ناصر ایم۔ اے پی ایچ۔ ڈی نے احمدیہ مشن واشنگٹن سے شروع ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

پیش لفظ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جج عالمی عدالت کے قلم سے ہے۔

اس کتاب کی دلآویزی، معنی آفرینی، اختصار اور جامعیت، وسعت نظر اور انصاف پسندی اپنی نظیر آپ ہیں اور ہماری تعریف و توصیف سے مستغنی۔

کتاب نہایت مفید مضامین پر مشتمل ہے اس لئے اس کا اردو میں ترجمہ کرنا خاکسار نے مناسب اور ضروری سمجھا۔ جو احباب کی خدمت میں پیش ہے۔

اصل کتاب میں جا بجا قرآنی آیات کا ترجمہ متن کے بغیر درج ہے۔ لیکن خاکسار نے اُن آیات کا عربی متن بھی ترجمے کے ساتھ شامل کر دیا ہے اور ذیلی سُرخیوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں جہاں صرف لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) درج تھا ترجمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھا گیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ ترجمہ مفید ثابت ہو۔

نہ نازم بہ سرمایۂ فضلِ خویش
بہ دریوزہ آوردہ ام دست پیش
شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم
تو نیز ار بدی بینیم در سخن
بخلقِ جہاں آفریں کار کن

خاکسار محمد احمد مظہر
ایڈووکیٹ لائل پور

لائل پور
۷ اگست ۱۹۵۷ء

اسلام پر ایک نظر

فہرست مضامین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت ہیگ

چھٹی صدی عیسوی کا آخر اور ساتویں صدی کا شروع شاید ظلمت کا تاریک ترین دور تھا۔ جس میں مذہب، اخلاق، ثقافت، فلسفہ اور علوم سب کے سب زوال پذیر تھے۔ اگر کہیں کہیں کوئی شمع ٹمٹماتی تھی تو اس عالمگیر ظلمت کو اور بھی نمایاں کرتی تھی۔

جزیرہ نمائے عرب پر انتہائی تاریکی چھائی ہوئی تھی، وہاں کوئی منظم حکومت نہ تھی اور جان و مال معرضِ خطر میں رہتے تھے۔ ہاں عائلی یا قبائلی معاہدات اور باہمی رقابتوں کے نتیجے میں عارضی سکون یا برائے نام توازن میسر ہو جاتا تھا۔ مزید برآں عرب کے باشندے آدابِ امن اور قواعدِ جنگ سے بالکل ناآشنا تھے۔ غارتگری اور بہیمیت کا دور دورہ تھا۔ بدوی شجاعت، مہمان نوازی اور بقائے نفس کا تقاضا بس یہی وہ اسباب تھے جو اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن کی انتقامی کارروائیوں کی روک تھام کرتے تھے۔

کسی حکیم یا فلسفی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ شفا اور نجات کا چشمہ ملکِ عرب سے پھوٹے گا۔

لیکن یہی ہوا۔ الٰہی حکم کے ماتحت مکہ سے ایک آواز بلند ہوئی۔ جس نے لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا اور اعلان کیا کہ انسان کی دنیوی و اخروی فلاح و بہبود اور عزت و عظمت اسی آواز پر لبیک کہنے میں مضمر ہے۔ یہ آواز محمدؐ کی تھی (صلی اللہ علیہ وسلم)

سچ تو یہ ہے کہ یہ آواز صدا بصحرا تھی۔ جس کو سن کر لوگوں نے ہنسی، ٹھٹھے اور تحقیر سے کام لیا۔ ہاں بعض مسکین اور غریب دل اشخاص نے دلیری سے اس آواز کو قبول کیا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ اس آواز کے ماننے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو ہنسی ٹھٹھا کرنے والے وحشیانہ مظالم اور پے در پے ایذا دہی پر اتر آئے۔ ان لمبے اور وحشیانہ مظالم کا سبب صرف ایک تھا۔ یعنی یہ کہ مسلمان کیوں خدائے واحد کا معتقد اور پرستار ہے۔

ان حالات میں ایمان باللہ کی حفاظت اور اشاعت کے لئے یہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ مکہ کو خیرباد کہا جائے۔ بعض لوگ مکہ سے نکل گئے لیکن ان کا پیچھا کیا گیا۔ اور جس بادشاہ نے کچھ دور سمندر پار اپنے علاقے میں انہیں پناہ دی تھی اس سے ان بے وطنوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔ فریقین کی گفتگو سن کر بادشاہ نے اس مطالبے کو رد کر دیا۔

بعثت سے تیرھویں سال خود محمد صلعم کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا کہ مکہ کو چھوڑ دیں۔ رات کے وقت جب دشمن آپ کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے تھے اور دشمنوں کا ایک گروہ آپ کے مکان کے گرد گھیرا ڈال چکا تھا۔ آپ صرف ایک وفادار ساتھی ابوبکرؓ کی معیت میں دشمنوں سے بچ کر نکل گئے۔ جب کفار کو آپ کے چلے جانے کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کے تعاقب کی تدبیر کی۔ لیکن جس جگہ آپ اور آپ کا رفیق جا چھپے تھے وہ جگہ انہیں معلوم نہ ہو سکی۔ تب قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا مردہ پکڑ لائے اُسے ایک سو اونٹ انعام دیا

جلائے گا۔

بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی راہ لی۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت تھی جس نے خوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ بلکہ مدینے کے مختلف گروہوں نے آپ سے متفقہ درخواست کی۔ کہ علاوہ فرائض رسالت کے آپ اہل مدینہ کی سیاسی اور انتظامی قیادت بھی قبول فرمائیں۔ قریش تو پہلے ہی آپ کے قتل پر انعام مقرر کر چکے تھے اس لئے جب انہیں آپ کی اس کامیابی کا علم ہوا تو انہوں نے قبائل کو چند در چند معاہدات کے ذریعہ سے گانٹھنا شروع کیا تاکہ وہ نبی کریمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو نابود کر سکیں۔ اور ان لوگوں کو بھی تباہ کر سکیں جو آپ کو مدینے کی جرأت کریں۔

حضورؐ کو بڑی ذمہ داریوں اور تردّدات کا سامنا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ اور عرب کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی حفاظت کا انتظام بھی آپؐ کو ہی کرنا تھا۔ پس آپؐ نے کوشش کی کہ ایسے قبائل کے ساتھ خیر سگالی اور معاہدات کا رشتہ قائم کیا جائے۔ جو امن وامان کی بحالی اور قانون کی پاسبانی کرنے میں آپؐ سے متفق ہو سکیں۔ یہ تھی وفاقِ اسلامیہ کی بنیادی اینٹ۔

اِن نئے فرائض کی بجا آوری میں حضورؐ نے اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور ثابت کر دکھایا کہ آپؐ ایک دانا رہبر، دُور اندیش مدبّر اور بہادر سپہ سالار ہیں۔ اور باایں ہمہ پیکرِ رحم وکرم ہیں۔ آپؐ کو اور آپؐ کے ماننے والوں کو کثیر التعداد دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور طرح طرح کی سختیاں اور مصیبتیں جھیلنا پڑیں لیکن اس کشاکش کا بہلام حلہ جو بظاہر یاس انگیز تھا انتہائی فتحمندی پر منتج ہوا۔ اور مکہ کے دروازے خونریزی کے بغیر اس شخص کے سامنے چوپٹ کھل گئے۔ جو آٹھ سال پہلے اپنے ساتھیوں سمیت بے بسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ تب دُنیا نے عفو و درگذر کا وہ شاندار نظارہ دیکھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

ظاہر ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں فیاضانہ دستور العمل نافذ کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ پیغمبر اسلامؐ کو بفضلِ خدا یہ موقع بھی ملا کہ آپؐ نے اپنی طیب زندگی میں کامیابی کے ساتھ مذکورہ دستور کو عملی جامہ پہنا کر بھی دکھا دیا۔ تعدی کرنے سے اسلام صریحاً منع کرتا ہے اور مدافعانہ جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ جنگ ایک بھڑکتی آگ ہے اور جب بھی یہ شعلہ زن ہو جلد سے جلد اسے بجھا دینا چاہیئے۔ جنگ کی تمام سفاکیوں اور وحشت ناکیوں کو اسلام نہایت سختی سے منع کرتا ہے اور محاربات کو ایک ایسے ضابطے کا پابند کرتا ہے جو لڑائی میں شائستگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

مسلمانوں کو خداتعالےٰ نے اجازت دی کہ آزادیٔ ضمیر اور قیامِ امن کے لئے ہتھیار اُٹھائیں۔ مسلمان اپنے سے زیادہ لشکروں پر غالب آئے۔ اِس وجہ سے پہلے عرب قبائل کے اندر اور پھر ایرانی اور بزنطینی سلطنتوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف حسد اور تشویش کے جذبات اُبھرے۔ اسلامی جمہوریت یکدم منصۂ شہود پر آئی۔ اور یہ جمہوریت اتحاد، ترقی اور تسخیر قلوب کی علمبردار تھی۔ اور مذکورہ دونوں سلطنتیں اسلامی جمہوریت سے لگا نہ کھا سکتی تھیں۔ کیونکہ یہ دونوں جن اقدار کی حامل تھیں اسلامی جمہوریت ان کے خلاف ایک للکار تھی اور اِن حکومتوں کی مظلوم ومجبور رعایا کے لئے اسلام کے اندر ایک دلکشی تھی۔ پس جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ دونوں میں ٹکر ہوئی۔ جس کی وجہ سے اسلام کی اشاعت

کے لئے دُنیا کے کناروں تک راستے نکل آئے۔
ایک حیرت انگیز قلیل عرصے کے اندر وسیع علاقوں سے تاریکی اور بدنظمی دُور ہو گئی۔ رفاہِ عامہ کے ادارے قائم ہو گئے۔ ایک اعلیٰ اخلاقی نظام ظاہر ہوا۔ علم و فضل اور حکمت و فن دُور و نزدیک پھیلنے لگے۔ دُنیا نے ایک عجیب انقلاب دیکھا۔ یہ انقلاب کوئی عارضی نظارہ یا سراب کی جھلک نہ تھی جو اُبھر کر پھر یکدم نابود ہو جائے۔ بلکہ یہ وہ تغیر تھا جس کے اندر بے پناہ قوت، فیض رسانی اور استحکام مضمر تھے۔ یہ تغیر دماغی، جسمانی اور رُوحانی پیاسوں کو بجھانے والا تھا جس نے انسانی تاریخ کی کایا پلٹ دی اور نشوونما و ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ پہلی تین یا چار اسلامی صدیوں کو چھوڑ کر ہمارے زمانے میں اس تغیر کی قوت پہلے زمانوں سے زیادہ اپنا اثر دکھا رہی ہے۔

آخر اس قوت اور استحکام کا راز کیا ہے؟ یہی سوال ہے جس کا جواب ڈاکٹر وگلیری نے اپنی قابلِ قدر کتاب میں دیا ہے۔ مصنف کا وسیع مطالعہ، گہرا اخلوص، ہمدردی اور دقیق فہمی اس کتاب میں بروئے کار آئے ہیں۔ انہی وجوہات سے مصنف نے اس سوال کو بلا تردد، صاف اور صحیح طریق پر حل کیا ہے۔ کتاب گو مختصر ہے مگر اس کے مضامین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ پروفیسر وگلیری نے کامیابی کے ساتھ اسلام کے اہم پہلوؤں پر ایک اجمالی لیکن مبصرانہ نظر ڈالی ہے اور اسلام کو ایسے علمی انداز میں پیش کیا ہے کہ اہلِ مغرب ان کے گرانبارِ احسان ہیں اور مسلمانانِ عالم تہِ دل سے اُن کے مدّاح ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے تمام فرقے ہر تفصیل میں مصنف کے مقالے سے متفق ہوں، نقد و نظر میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس اہم تصنیف کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آتا۔

ڈاکٹر وگلیری نے اسلام کی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلامؐ کی سیرت کو دلی عقیدت کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن عہدِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے تنزل اور انتشار کے اسباب میں سے ایک سبب پر انہوں نے دلیری سے اپنی انگلی رکھی ہے۔ اور اس کے علاج کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:۔

"قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے اندر نہ کوئی دشمن تبدیلی پیدا کر سکا نہ کوئی دوست۔ جو گردشِ ایام کے اثرات سے محفوظ رہی۔ جو ایک اُمّی اور آخری شارع نبی پر اُتری اور حرف بحرف محفوظ رہی۔ پس مسلمانوں کو اسی خالص چشمے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور جب وہ بلا واسطہ اس مقدس چشمے سے پئیں گے تو ان کے اندر ایک نئی رُوح اور ایک نئی قوت پیدا ہو گی۔"

بلا شبہ صحیح علاج یہی ہے۔ قرآن کریم وہ وحی ہے جو خدا تعالےٰ کے الفاظ میں محمد صلعم کی طرف نازل ہوئی۔ جو حرف بحرف خدا کا کلام ہے۔ کائناتِ عالم کو خدا تعالےٰ نے بنایا اور قرآنِ حکیم میں کائنات کی طرح دائمی زندگی کی صفات پائی جاتی ہیں اور اس کے پھل ہر زمانے میں رُوح کو بالیدگی عطا کرتے ہیں۔ مغربی محققوں میں سے پروفیسر وگلیری کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے متعدد امراض کا علاج قرآنِ حکیم ہی ہے۔

منطقی استدلال کے ماتحت وہ اپنے مقالہ میں لازماً اسی نتیجے پر پہنچی ہیں اور ان کی نکتہ رسی کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآنی ہدایات کے اندر ہر دم تازہ، رُوح پرور اور ہمہ نواز آبِ حیات موجود ہے۔ خود

قرآن حکیم بنی نوع انسان کے لئے یہی تشخیص اور علاج تجویز کرتا ہے - مثلاً وہ فرماتا ہے :-

"اس دن رسول کریم کہیں گے - اے میرے خدا میری قوم نے قرآن (اپنی نعمت) کو چھوڑ دیا"

قرآنی ہدایات سے غفلت انسانی امراض کا سبب ہے اور ان ہدایات کی طرف بازگشت ہی ان کا علاج ہے -

اس قیمتی اور مختصر کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں ڈاکٹر آئی ڈکسیلی نے کیا ہے جو نہایت قابلِ قدر ترجمہ ہے - ترجمہ کرنے کا کام آسان نہیں ہوا کرتا -

جب کتاب ایک زبان میں ہو اور اس کے مضامین کے ماخذ ایک دوسری زبان میں ہوں اور ایک تیسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا پڑے تو مترجم کی مشکلات میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے - محاورے کے بالمقابل محاورہ لانا بہت مشکل ہوتا ہے - اصل کتاب میں نہایت نازک اور متین مضامین پر اجمالی بحث ہے اسلئے ضروری تھا کہ بعض امور کو ترجمہ میں مشرح کر دیا جائے اور بایں ہمہ کتاب کے متن سے مطابقت بھی قائم رکھی جائے - ڈاکٹر کسیلی کا ترجمہ ان دونوں خوبیوں کا مؤثر اور کامیاب مرقع ہے -

تمام دنیا کے مدبر سرگرمی سے کوشاں ہیں کہ بین الاقوامی مفاہمت اور خیر سگالی کے اسباب میں ترقی ہو - انہیں ایک مشکل مسئلے کا سامنا ہے جسے نظریات کا تصادم کہنا چاہیئے - تقریباً چالیس کروڑ انسان ایسے ہیں جو مراکش سے لیکر چین اور فلپائن تک پھیلے ہوئے ہیں - ان کی آرزو ہے کہ اسلامی ضابطہ حیات اور اسلامی اصول دنیا میں رائج ہوں - وہ یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی فلاح و بہبود اور عروج و ترقی کا سارا انحصار اسلامی اصول و قوانین پر ہے - ان لوگوں کی بڑی تعداد اہلِ مغرب کے استعمار اور سیاسی ماتحتی سے آزاد ہو چکی ہے یا روز بروز آزاد ہو رہی ہے - اب ان کو یہ مقام حاصل ہے کہ اپنے گھریلو اور بین الاقوامی معاملات کا جائزہ لیں اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں - امنِ عالم بڑی طاقتوں کے درمیان ایک تذبذب اور جنگجوئی کی حالت میں پڑا ہوا ہے - پس امنِ عالم کے قیام و استحکام کے لئے مسلمان ایک فیصلہ کن امداد بہم پہنچا سکتے ہیں - ہر دن جو گزرتا ہے شدت سے اس امداد کا طالب ہے - باہمی خیر خواہی کی بڑی ضرورت ہے - اور نیز اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ جس ذریعے سے لوگوں کے خیالات، تدابیر اور اعمال بالآخر اثر پذیر ہونے والے ہیں اسے بخوبی ذہن نشین کر لیا جائے -

ان دنوں مغرب کے علماء اور مصنفین کے اندر شدت سے یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ اسلام کو اچھی طرح سمجھیں، اس کی قدر کریں، اس پر ہمدردانہ غور کریں - لیکن عرصہ دراز کے تعصبات کے دور کرنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا - ضرورت ہے سرگرم اور مستقل کوشش کی - جو تعصب کو دور کر دے اور حقیقی قدر شناسی کو اس کی جگہ پر لے آئے - اہلِ مغرب کا یہ رجحان رہا ہے کہ وہ زمانہ حال کے مسلمانوں کی کمی اور کمزوری کو اسلام کی تعلیم کا نتیجہ تصور دیتے رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کی کمزوریاں اسلامی اقدار سے غفلت اور ناواقفی کا نتیجہ ہیں نہ کہ ان پر عمل پیرا ہونے کا -

ان سب امور کے پیشِ نظر پروفیسر وگلیری کی نفیس اور مختصر کتاب ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے اور اس کا مطالعہ مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے اور غیر مسلموں کے لئے بھی -

انگریزی میں ترجمہ ڈاکٹر کسیلی کی للّہی محنت کا رہینِ منت ہے - اور انگریزی دان اس کتاب کے لئے شکریہ کا موجب

ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب جس کا نام "اسلام پر ایک نظر" ہے وسیع طور پر پڑھی جانی چاہیئے۔ امید کہ یہ کتاب اہلِ اسلام اور اہلِ مغرب کے درمیان دوستانہ مفاہمت قائم کرنے اور بین الاقوامی امن کو استحکام دینے میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ اہلِ مغرب جب ایک دفعہ اسلامی تعلیمات کو بخوبی سمجھ لیں گے تو خوش دلی سے ان کی قدر کریں گے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس منزلِ مقصود پر پہنچنے میں پروفیسر وگلیری کی کتاب ایک خوشکن رہبر ثابت ہوگی۔

ہیگ
۲۵ فروری ۱۹۵۷ء

ظفر اللہ خان

اِسلام پر ایک نظر

باب اوّل

اسلام کا سُرعت سے پھیل جانا

آغازِ اسلام تہذیب و تمدن کی شاہراہوں سے دُور بیابان میں ایک جاہل قوم بستی تھی۔ جس کے اندر خالص اور شفاف پانی کا ایک چشمہ نمودار ہوا۔ جس کا نام اسلام ہے۔ یہ پانی اتنا کثیر المقدار تھا کہ چشمے سے جھیل اور جھیل سے دریا بن گیا۔ اور آخر اُچھل کر یہ سیلاب ہزاروں ندیوں میں بٹ گیا اور سارے ملک کو سیراب کر گیا۔ جہاں جہاں یہ آبِ بقا پہنچا اس نے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور اختلافوں کو مٹا دیا۔ اور اتفاق و اتحاد کو قائم کر دیا۔ قبیلوں کی باہمی خونریزی ایک عام دستور تھا جس کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے مقابلہ میں متحد ہو جاتا تھا۔ اسلام آیا اور اس نے ان خون خرابیوں کو مٹا کر دلوں کے اندر اپنی تاثیر پھونک دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب، اخلاق اور مقاصد میں یکرنگی پیدا ہو گئی۔ باہمی اخوت کے جذبات موجزن ہونے لگے۔ اسلامی چشمہ ایک ناقابلِ مزاحمت دریا بن گیا اور اس کے خالص اور پُر زور دھارے نے زبردست سلطنتوں کو گھیر لیا جو نئی یا پُرانی تہذیب کی حامل تھیں۔ اور پیشتر اس کے کہ اُن سلطنتوں کے باشندے اس انقلاب کی اہمیت کو سمجھ سکیں اسلام سیلاب کی طرح اُن پر اُمڈ آیا۔ اور مُلکوں کے مُلک اس کے سامنے پیوندِ خاک ہوتے چلے گئے اور حدود و قیود کی دیواریں گرتی چلی گئیں۔ یہ وہ شور تھا جس نے سوتوں کو جگا دیا، یہ وہ رُوح تھی جس نے پراگندہ اقوام کو بالآخر وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔

تاریخ عالم میں ایسا انقلاب کبھی نہ آیا تھا جس سرعت سے اسلامی فتوحات عمل میں آئیں اور جتنی جلدی چند مخلص اشخاص کے مذہب نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں گھر کر لیا اس سرعت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ انسانی دماغ کے لئے یہ بات اب بھی ایک معمہ ہے کہ آخر وہ کونسی مخفی طاقت تھی جس کی بدولت چند ناآزمودہ کار لوگوں نے اُن قوموں کو مغلوب کر لیا جو تہذیب، دولت، تجربے اور فنونِ جنگ میں اُن سے بدرجہا افضل تھیں۔ عجب تر یہ کہ ان لوگوں نے نہ صرف وسیع علاقوں پر قبضہ حاصل کیا بلکہ انہوں نے اپنے مقبوضات کو اس قدر منظم اور مضبوط کر دیا کہ سینکڑوں سالوں کی جنگیں انہیں اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے دلوں میں اپنے نصب العین کے حصول کے لئے ایک ایسا حیرت انگیز ولولہ اور مستقل تڑپ پیدا کر دی۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد تک بھی کوئی دوسرا مذہب اس ولولے اور تڑپ کا ہمسر نہ ہو سکا۔ مزید برآں موجودہ مسلمان جن کو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کی نسبت بالکل مختلف ثقافت سے سابقہ پڑا ہے اُن کے دل بھی ایسے نورِ عقیدت سے منور ہیں جو اُن سے

ہر قسم کی قربانی کرا سکتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں اسلام صرف توحید کا داعی تھا لیکن جب آپ اور آپ کے ساتھی ہجرت کرکے مدینے چلے گئے تو اسلام ایک زبردست سیاسی طاقت بن گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مطاعن اور مظالم کو صبر سے برداشت کیا اور بالآخر آپ، کو اذنِ الٰہی ملا کہ آپ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں پس مجبور ہو کر آپ نے تلوار کو بے نیام کیا لیکن اس کے بعد دشمنوں نے اس بات کا موقع ہی نہ آنے دیا کہ آپ تلوار کو نیام میں ڈال سکیں۔

فتح مکہ

ہجرت پر ابھی دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ خدا تعالیٰ نے ستم رسیدہ مسلمانوں کو طاقت کے مقابلے میں طاقت استعمال کرنے کی اجازت دی۔ اور یہیں سے اسلام کے عروج کا آغاز اور معاشرت اور سیاست میں حقیقی انقلاب پیدا ہوتا ہے اور آپ کے اصحاب پہلی جنگ میں اہلِ مکہ پر فتح پاتے ہیں۔ چند ناگزیر رکاوٹوں سے قطع نظر اس دن کے بعد سے مذہبی اور سیاسی محاذات پر اسلام کو پے در پے جنگوں اور فتوحات سے واسطہ پڑا۔ جن کا آخری نتیجہ آٹھویں سال کے اندر یہ تھا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور یہ ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔

فتوحات و اشاعت اسلام

عرب سپاہی صحراؤں سے نکلے۔ اور ملکی حدود کو عبور کرتے ہوئے فلسطین میں گھس گئے اور آگے بڑھ کر شمال کی طرف ملک شام میں جا نکلے۔ عین اس حالت میں کہ ملک شام کی طرف سے دوسرے حملے کا اندیشہ تھا اور اس کے مقابلہ کے لئے ایک بڑا اسلامی لشکر تیاری میں مصروف تھا۔ ہجرت کے گیارھویں سال میں پیغمبر اسلام کی آواز کو پیک اجل نے خاموش کر دیا۔ یہ وہی آواز تھی جس نے بہت سے انسانوں کے دلوں میں بے پناہ ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ اور جس کے لئے مقدر تھا کہ جلد ہی دور افتادہ قوموں کو اپنی قومی تاثیرات سے تسخیر کرلے۔

اب عرب متحد ہو چکا تھا۔ بعض بدویوں نے زمانہ قبل از اسلام کے فتنہ و فساد کو پھر زندہ کرنا چاہا لیکن مدینہ کی حکومت کے سامنے وہ مغلوب و منہزم ہو گئے اور ان کی تفرقہ انگیز کوششیں ناکام و نامراد ہو گئیں اور اس نئے مذہب کا یہ پہلا معجزہ تھا اور وہ ملک جو کئی صدیوں سے برادر کشی کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا بالآخر امن و عافیت کا گہوارہ بن گیا۔

قرآن شریف میں ایک آیت ہے جس میں اسلام کو عالمگیر مذہب اور تمام قوموں کے لئے رحمت کہا گیا ہے۔ یقیناً یہ آیت بلاواسطہ تمام دنیا پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو یقینِ کامل تھا کہ آپ کا پیغام عرب قوم تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ کا فرض ہے کہ دوسری قوموں اور زبانوں تک اس پیغام کو پہنچا دیں۔

اس احساس کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ملتا ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اسود و احمر کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ یا اسی قسم کے اور کلمات فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ ماورائے عرب کے ممالک میں بھی اسلامی فتوحات کی پیش خبری دیتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے بیرونی ممالک سے روابط بھی قائم کر لئے تھے۔

آپ کے بعد آپ کے خلفاء جو اسلامی سلطنت کے رئیس اور آپ کے مقاصد کی ترجمانی کرنے والے تھے آپ کے جاری کردہ راہ پر گامزن رہے اور انہوں نے مشرق میں وسطِ ایشیا کے اندر اور مغرب میں بحر اوقیانوس تک اسلامی جھنڈا گاڑ دیا۔ ایرانی اور بزنطینی

سلطنتیں صدیوں تک آپس میں لڑتی رہیں مگر ایک دوسرے کو تباہ نہ کر سکیں لیکن ہجرت کے سولھویں سال ہی جنگ قادسیہ میں ایرانی سلطنت کو مسلمانوں نے ایسا پاش پاش کر دیا کہ پھر وہ اُٹھنے کے قابل نہ رہی۔ ایران کا بادشاہ ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں بھاگتا پھرا حتیٰ کہ اپنی سلطنت کی سرحدوں پر جا پہنچا اور سنہ ۳۱ھ میں فوت ہو گیا۔ اور سلطنتِ ایران عرب کا ایک حصہ بن گئی۔

اسی دوران میں فلسطین اور شام پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ اور یہ دونو ملک سنہ ۱۹ھ تک بکلی عربوں کے قبضے میں آ گئے۔ سنہ ۲۱ھ میں فتح مند لشکر اسلام آرمینیا میں موصل تک جا پہنچا۔ ایک بحری بیڑا تیار ہوا۔ اور ایک سالانہ مہم نے ایشیائے کوچک میں شام کی بندرگاہ سے لنگر اٹھائے۔ تاکہ بزنطینی سلطنت کے دارالحکومت کے اندر جنگ کی جائے۔ سنہ ۱۸ھ میں عربوں نے مصر پر پہلی فوج کشی کی۔ اور سنہ ۲۱ھ میں اسکندریہ نے صلح کر لی۔ سنہ ۲۳ھ میں طرابلس فتح ہو گیا۔ اور سنہ ۲۷ھ میں جنوبی ٹیونس کے خلاف پہلی اہم فوج کشی ہوئی۔ لیکن اِن سنوں کا بار بار ذکر کرنا کیا ضرور؟ لشکر کے بعد لشکر تیزی سے روانہ ہوتا رہا۔ ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ ہوتی رہی۔ اور مسلمان فاتحین کے قدم گویا ہوا سے باتیں کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ (سنہ ۱۳ھ) حضرت عمرؓ (سنہ ۲۳ھ) حضرت عثمانؓ (سنہ ۳۵ھ) کے دورِ خلافت میں فتوحات کی خوش خبریوں سے فضا گونج اٹھی۔ پھر مفتوحہ علاقوں کی تربیت و تنظیم کی گئی۔ جو فتوحات سے بھی زیادہ شاندار تھی۔ جب دو تہذیبوں اور دو مذہبوں کا خاتمہ ہو گیا تو تھکے ہارے لوگوں کی رگوں میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ حیرت زدہ دُنیا کی آنکھوں کے سامنے ایک نیا مذہب پرچم کشا ہوا۔ ایک آسان اور سادہ مذہب جو دل و دماغ پر اثر ڈالتا تھا۔ ایک نیا طرزِ حکومت جاری ہوا جو اس زمانے کی حکومتوں کے مقابلے میں اپنے اخلاقی اصول و آئین کے اعتبار سے بدرجہا بہتر تھا۔

وہ سونا جو رئیسوں کے صندوقوں میں مخفی تھا دست بدست غریبوں تک پہنچنے لگا۔ زمامِ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو دیانت پرور اور جمہوریت نواز تھے۔ اور اُن کے زیرِ سایہ تعلیم یافتہ، قابل اور ذہین اشخاص کی حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ اور اس نئے نظام کی بدولت وہ اعلیٰ ترین پبلک عُہدوں پر فائز ہو سکتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ بدورانِ حملہ سپاہیوں کی چند ناگزیر زیادتیوں کے بعد خوشحالی اور دولت مندی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ جو صدیوں سے ایشیا کو نصیب نہ ہوا تھا۔ مفتوحین کی جان و مال کی حفاظت اور اُن کے حقوق کا احترام تقریباً اسی درجے پر تھا جو خود مسلمانوں کو حاصل تھا۔

اس سیاسی اور مذہبی تبدیلی نے لوگوں کو ایسا جھنجھوڑا کہ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ کہ یہ تغیر ہوا کیسے؟ لیکن اُن میں سے بہت سے یا تو اندھے تھے یا انہوں نے دانستہ آنکھیں موند لی تھیں۔ اور وہ غلط قیاسات کی بھول بھلیوں میں حیران و سرگردان پھر رہے تھے۔ اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایک پاک قوت ہی ایسی وسیع تحریک کو چلا سکتی ہے۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ صرف خدا تعالےٰ کی حکمت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ہے۔ اور انبیاء کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے اس آخری شارع نبی پر ختم ہو گیا۔ یہ بعثت تمام بنی نوع انسان کے لئے تھی۔ جس نے نسلی، قومی اور مُلکی امتیازات کو برطرف کر دیا۔

مخالفین یا تو اندھے تھے یا دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ یہ لوگ جا بجا مشہور کرتے رہے کہ اسلام حقیقت میں جبر و تشدد کا مذہب ہے اور بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے اور

رواداری سے خالی ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے الزام لگائے گئے کہ (نعوذ باللہ) آپ جھوٹے تھے، ظالم تھے، عیش پرست تھے۔ اور مخالفین نے کوشش کی کہ مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی جو عمارت آپ نے بنائی ہے اُسے گرا دیں۔ انہوں نے آپ کے اصحاب کے اخلاص و عقیدت کو خود غرضی قرار دیا اور کہا کہ ان کا اصل مدعا جلب منفعت اور دنیوی عیش و آرام کے سوا کچھ نہ تھا۔

جبر کا الزام اور اس کی تردید

آئیے ہم اس جبر و تشدد کے الزام پر نظر ڈالیں۔ اگر اس الزام سے مراد یہ ہے۔ کہ دوسرے بانیانِ مذاہب کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار چلائی اور فوج کشی کی۔ تاکہ مزید کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوں۔ اور آپ کے ماننے والوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ تو ہمیں کہنا چاہیئے کہ یہ درست ہے لیکن ہمیں چاہیئے۔ کہ خالی الذہن ہو کر یہ بھی معلوم کریں کہ اس کے اسباب کیا تھے۔ لیکن اگر اس الزام کا منشاء یہ ہے کہ مذہب کو جبراً منوانے کی خاطر ایک تباہ کن جنگ لازمی سمجھی گئی۔ اور اسلام کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ غیروں پر اپنا تسلط جمائے۔ تو ہم اس الزام کو رد کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی تعلیم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کردار دونو گواہی دیتے ہیں۔ کہ یہ الزام سراسر جھوٹا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الہامات اور آسمانی کشوف اہل مکہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ جن میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ مظالم کو صبر سے برداشت کرنا چاہیئے۔ مگر قریش کو اس کا یقین نہ آتا تھا۔ پھر جب آپ نے مکہ سے ہجرت کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تو آپ کو ایک سیاسی کشمکش کا مرکز بننا پڑا۔ اس وقت آپ کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ کہ یا تو ذلت کی موت مر جائیں (اور یہ خدا کو منظور نہیں تھا) یا یہ کہ اپنی ذات اور اپنی قلیل جماعت کو تباہی سے بچانے کے لئے جنگ کریں۔ اس مقابلہ میں ایک طرف تھے غیر مہذب، فساد انگیز اور مادہ پرست کفار جن کے ساتھ تہذیب یافتہ لیکن پرلے درجے کے متعصب، تفرقہ انداز اور افترا پرداز یہودی بھی شامل تھے اور دوسری طرف تھا مذہبی اور معاشرتی اصلاح کا نصب العین۔ ان دو طرفین میں مقابلہ آ پڑا تھا۔

اسلامی جنگیں

یہ وہ نصب العین تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ آپ نے جنگ کی لیکن یہ ایسی جنگ تھی جس میں ایک فریق پیکرِ صبر تھا۔ اور دوسرا فریق پیکرِ تکبر۔ یا یہ ایسی جنگ تھی جس میں ایک شخص لڑنا نہ چاہتا ہو مگر مجبوراً اُسے ایسے دشمنوں کے خلاف لڑنا پڑے جو طاقت کے بل بوتے پر اُسے نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہوں۔ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ آپ نے لڑائی کی۔ لیکن آپ کو یقین تھا کہ آپ بہت سے نفوس تک صداقت کو پہنچانے کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ اور آپ کا فرض ہے کہ تاریکی کے اندر لوگوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔

مدینہ کے یہودی ایک مالدار اور خوشحال طبقے کے لوگ تھے۔ آپ نے مدینہ پہنچ کر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں دعوت دی کہ سیاسی اور معاشرتی امور میں وہ آپ کے ساتھ سچا تعاون کریں۔ لیکن جب ثابت ہو گیا کہ یہود آپ کے جانی دشمن ہیں اور جھوٹ اور غداری کے راستے پر چلنے کے لئے مصر۔ تو آپ مجبور تھے کہ لڑ کر انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اُس زمانے میں بیرونی دشمنوں سے لازماً لڑنا پڑتا تھا۔ کیونکہ بادیہ نشین عرب میں مستقل امن کا خوگر نہ ہو سکتا تھا۔

کیونکہ لڑائی کرنا قرن ہا قرن سے عرب کا دستور و معمول بن چکا تھا۔ پس اندرونی مجادلات سے نپٹتے ہی آپ کو قریش اور غیر معاہد قبائل کی مخالفت سے سابقہ پڑا۔ جنگی خطرات اور فوجی فتوحات نئی جماعت کو متحد کرنے کا ذریعہ بھی بن گئے۔ آپ کے ساتھی جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے اُن کی بقاء کا ضروری سامان بھی اسی طرح پیدا ہوا۔ بدویوں کی افتادِ طبع کو بھی جنگ راس آئی۔ ایک ہولناک ماحول تھا جو خطرات سے پُر، دلیرانہ اقدام کا طالب، اور جانبازی کو دعوت دینے والا تھا۔ ایسے حالات میں جنگ ہی ایک ذریعہ تھا جو جان کی حفاظت اور پیغمبر کی بعثت کی غرض کو پورا کر سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی تمام جنگیں سچے مذہب کو بچانے اور برقرار رکھنے کی غرض سے تھیں۔ یہ جنگیں مقصود بالذات نہ تھیں اور بہرحال مدافعانہ تھیں نہ کہ جارحانہ۔ قرآن شریف صاف فرماتا ہے۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○

"اور اللہ کے راستے میں لڑو اُن سے
جو تمہارے خلاف لڑتے ہیں لیکن زیادتی
نہ کرو یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو
دوست نہیں رکھتا" (بقرہ - ۱۹۱)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ۔ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ○

"اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ فتنہ
باقی نہ رہے اور مذہب کا اظہار خدا تعالےٰ
کی خاطر ہو سکے لیکن اگر وہ باز آجائیں تو
یاد رکھو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی
کی اجازت نہیں۔ (بقرہ - ۱۹۴)

بے شک غلبہ کے جوش میں مسلمانوں نے اپنی فتوحات کو کچھ زیادہ آگے بڑھا دیا۔ اور اس امر سے انکار کرنا گویا فطرتِ انسانی سے انتہائی ناواقفی کا ثبوت دینا ہے۔ لیکن کیا اس وجہ سے اسلام پر حرف آسکتا ہے؟ جب مسلمانوں کو ایک دفعہ اپنی طاقت اور دشمن کی کمزوری کا اندازہ ہو گیا تو دُنیا کی کونسی طاقت تھی جو اُن کی پیش قدمی کو روک سکتی۔ یا اُنہیں عین قانونی حدود کے اندر جکڑ لیتی۔ پھر بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ انتہائی غلبہ و قدرت کی حالت میں بھی عرب فاتحین اپنے دشمنوں میں یہ اعلان کر دیتے تھے کہ جنگ بند کر دو۔ ایک معمولی سا جزیہ دینا قبول کرو اور ہم تمہاری حفاظت کے ہر طرح ذمہ دار ہیں۔ یا مسلمان بن کر ہماری جماعت میں داخل ہو جاؤ۔ اور ہمارے تمہارے حقوق مساوی ہوں گے۔

اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر غور کریں یا مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کو دیکھیں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ الزام کہ اسلام بزورِ شمشیر منوایا گیا اور اسلام کا جلدی سے پھیل جانا تلوار کی وجہ سے تھا سراسر لغو اور بےہودہ ہے۔

قرآن فرماتا ہے۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○

"مذہب میں جبر جائز نہیں یقیناً حق و
باطل میں امتیاز قائم ہو چکا ہے پس جو
شخص بغاوت کی راہوں کو چھوڑ دے
اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایک

مضبوط دستے کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔"

(بقرۃ - ۲۵۷)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

"اور تو کہہ دے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔"

(کہف - ۳۰)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان خدائی احکام کی پیروی کرتے تھے۔ اور سب مذاہب کے ساتھ عموماً اور توحید پرست مذاہب کے ساتھ خصوصاً بہت رواداری برتتے تھے۔ آپ کفار کے مقابلہ میں صبر اختیار کرتے تھے۔ اور دلی یقین کے ساتھ منتظر تھے کہ ایک وقت آئے گا جب آپ کا کام تکمیل کو پہنچ جائیگا اور لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ بادیہ نشینوں کے ظاہری قبولِ اسلام سے بھی خوش تھے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ صحرا کے اِن فرزندوں کی جبلت کسی قسم کی پابندی کو بمشکل ہی گوارا کر سکتی ہے لیکن آپ کو یقین تھا کہ بالآخر محبتِ الٰہی دلوں میں داخل ہو جائے گی۔

اسلامی رواداری

ایک دن آپ نے اپنے ایک پیرو سے فرمایا کہ "آپ ایمان لانے کے لئے لوگوں پر دباؤ کیوں ڈالتے ہیں۔" اور جس وقت تحمل اور رواداری کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو آپ اور آپکی قلیل جماعت پر کسی خوف وخیال کی کیفیت طاری نہ تھی اور نہ ہی آپ کی حالت اُس فلسفی کی سی تھی جو اپنے اِردگرد کسی قسم کی مخالف طاقتوں کو دیکھ کر شل سا ہو جائے۔ بلکہ اُس وقت آپ مکمل طاقت کے مالک، ایک منظم حکومت کے رئیس اور ایک جانباز سپاہ کے سالار تھے۔ اور سپاہ بھی ایسی کہ آپ کے اشارے پر ہر حریف سے نپٹنے کے لئے ہر وقت تیار تھی۔

ہجری سالوں کی پہلی دہائیوں میں ہمیں کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں خلفاء (راشدین) نے توحید پرست مذاہب کے ساتھ مذہبی رواداری برتنے کے اعلیٰ نمونے دکھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے متعلق یہ ذمہ لیا کہ عیسائی ادارے محفوظ رکھے جائیں گے اور یمن کی مہم کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ کسی یہودی کو اس کے مذہب کی وجہ سے دُکھ نہ دیا جائے۔ اور آپ کے خلفاء بھی اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیتے تھے کہ دورانِ جنگ میں اُن کی افواج انہی ہدایات پر کاربند ہوں۔ ان فتحمند سپہ سالاروں نے مفتوح اقوام کے ساتھ معاہدات کرنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی پیروی کی۔ انہی معاہدات کی وجہ سے مفتوحین کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ملی۔ صرف شرط یہ تھی کہ جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ایک معمولی سا ٹیکس یعنی جزیہ ادا کریں۔ یہ ٹیکس اُن ٹیکسوں سے بہت ہلکا تھا جو خود مسلمانوں پر حکومتِ اسلامی کی طرف سے عائد ہوتے تھے۔ جزیے کے بدلے میں رعایا یعنی ذمی لوگ ایسے ہی مامون و مصئون ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ خود مسلمان۔ پھر پیغمبر اسلام اور خلفاء کے طریقِ عمل کو قانون کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اور ہم حتماً اور بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے مذہبی رواداری کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں کی۔ بلکہ رواداری کو مذہبی قانون کا لازمی حصہ بنا دیا۔

مفتوحین کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے اُن کی مذہبی آزادی میں کبھی دخل نہیں دیا۔ اور نہ تبدیلیٔ مذہب کے لئے کوئی سختی کی۔ اسلامی لشکر

کے پیچھے پیچھے غالی اور بن بلائے واعظوں کی لام ڈور
نہ ہوتی تھی اور نہ مسلمانوں نے واعظوں کو خاص مراعات
عطا کیں - جن کے معاوضے میں وہ اسلامی عقائد کی
ترجمانی یا پاسبانی کریں - بلکہ اس کے برعکس ایک
زمانے میں نومسلموں کے متعلق ایک ایسا قاعدہ بنایا
گیا جس کی وجہ سے اسلام آسانی سے نہ پھیل سکتا تھا۔

وہ قاعدہ یہ تھا کہ اسلام لانے سے پیشتر ضروری تھا
کہ قاضی کے پاس حاضر ہو کر اس بات کا امتحان لیا
جائے کہ تبدیلیٔ مذہب سے کوئی دنیوی فائدہ تو مقصود
نہیں - اور یہ کسی دباؤ کا نتیجہ تو نہیں بلکہ خلفائے بنو امیہ
کے عہد میں تو تبدیلیٔ مذہب کی روک روکنے کی بھی کوشش
کی گئی - کیونکہ یہ تبدیلی اقتصادی لحاظ سے کچھ پریشان کن
تھی - اور جزیے کی کمی کی وجہ سے ٹیکسوں اور مالیات میں
گھاٹا پڑتا تھا - یہودی اور عیسائی امن سے رہ رہے تھے -
اور ان کے مذہبی عقائد سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تھا -
بلکہ اگر ان کی اعلیٰ ذاتی قابلیت رئیس کی توجہ کے لائق
ہوتی تو یہ لوگ حکومت کے عہدوں پر فائز ہو جاتے
تھے - بے شک بعد کے زمانے میں یہودیوں اور
عیسائیوں کی مذہبی آزادی پر کچھ پابندیاں لگائی گئیں -
مثلاً یہ کہ یہودی اور عیسائی بعض نشان لگائیں جن
سے ان کی پہچان ہو سکے - یا یہ کہ نئے گرجے تعمیر نہ کئے
جائیں - اور پرانے گرجوں کی مرمت نہ کی جائے - مگر یہ
بعد کے زمانے کی باتیں ہیں - جو مذہب میں غلو کا نتیجہ
تھیں - اور یہ بات اس وقت ہوئی جب حکومت غیر عرب
ہاتھوں میں آئی - اور اسلام کے لئے طبیعتیں کچھ نہ کچھ
تعصب کی طرف جھک گئیں -

ہاں اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دوسرے
اہلِ مذاہب کی طرح مسلمانوں نے بھی بعض جذباتی
شعلہ بیانیاں کیں جو نفرت انگیز اور فساد خیز تھیں لیکن
ہمیں ماننا چاہیئے کہ ان حرکات کا اصلی باعث اسلامی
تعلیم سے بُعد تھا - ورنہ اسلام تو اس آگ پر پانی ڈالنے
والا مذہب تھا اور تحمل اور رواداری کو فروغ دیتا تھا۔

ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مختلف فرقوں کی باہمی آویزش
سے بھی اسلام خالی نہ رہا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا - کہ
مذہب کی آڑ میں لوگوں پر ظلم کئے گئے لیکن اس کی وجہ
بھی سیاسی یا خاندانی رقابتیں تھیں - ورنہ اسلامی تعلیم
میں ایسی باتوں کے لئے کوئی وجہ جواز یا اجازت پائی
نہیں جاتی -

پیغمبر اسلامؐ کے خلاف الزامات کی تردید

جذبۂ نفرت سے اندھے ہو کر اسلام کے طاقتور دشمنوں نے
کوشش کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ پر ناپاک الزامات
لگائیں - وہ اس بات کو بھول گئے - کہ دعویٰ رسالت
سے پہلے آپ کے ہم وطن آپ کی پاکباز زندگی اور دیانتداری
کے معترف تھے - یہ لوگ نہیں سوچتے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم
(نعوذ باللہ) خود جھوٹے تھے تو منافقوں اور جھوٹوں کو
پُرغضب قرآنی الفاظ میں ابدی جہنم سے کیونکر ڈرا سکتے
تھے -

آپ کی طبیعت میں سادگی تھی - پس کیونکر ممکن ہے
کہ آپ کے ہم وطن تو آپ کی تذلیل کے درپے ہوں اور
آپ تبلیغ کرنے پر کمربستہ ہوں - اس دلیری کا اصلی سبب
اگر یہ نہ تھا کہ آپ کی باطنی قوتیں آپ کو تبلیغ کرنے پر
مجبور کرتی تھیں تو اور کیا تھا؟ آپ ایک ایسے مقابلے
کو کیونکر شروع کر سکتے تھے جو بظاہر مایوس کن تھا - اور
اگر آپ کو اپنی رسالت پر کامل یقین نہیں تھا تو آپ
اس مقابلے کو دس سال تک مکے کے اندر بے شمار مصیبتوں
اور حقیر کامیابی کے ساتھ کیونکر جاری رکھ سکتے تھے - اور
اگر لوگ آپ کے پیغام کے خلوص اور صدق سے متاثر

نہ ہوئے تھے تو کیسے ممکن تھا کہ بہت سے دانا اور شریف النفس آدمی آپ پر ایمان لے آئیں۔ اور ہر حال میں آپ کا ساتھ دیکر اور نئے مذہب کو مان کر ایسے معاشرے میں داخل ہو جائیں جس میں اکثر غلام یا آزاد شدہ غلام یا نادار اور غریب لوگ شامل تھے۔ ہم اِس کلام کو طول دینا نہیں چاہتے۔ کیونکہ مغربی محققین بھی اِس صداقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سچے اور گہرے اخلاص سے بھر پور تھا۔

ظلم کا الزام بھی آپؐ پر لگایا جاتا ہے۔ اِس کا جواب بہت سہل ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک حکومت کے رئیس تھے۔ اور اپنی جماعت کی آزادی اور جان کی حفاظت کرنا آپ کا فرض تھا۔ اور انصاف کے تقاضے سے آپؐ نے مجرموں کو سخت سزائیں بھی دیں۔ آپؐ کے اِس طرزِ عمل کو اُس غیر مہذب معاشرے کے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے جس میں آپ رہتے تھے۔ آپ دینِ الٰہی کے مبلغ تھے۔ اور اپنے ذاتی دشمنوں سے بھی نرمی اور رحم کا سلوک کرتے تھے۔ آپ رحم و انصاف کے جامع تھے اور قلبِ انسانی ان دو اعلیٰ صفات سے برتر صفات کو تصور میں نہیں لاسکتا۔ اِس دعوے کے ثبوت میں بیسیوں مثالیں آپؐ کے سوانح حیات سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ آپؐ کا ایک سوانح نگار لکھتا ہے:-

"جنگ انسانی بقا کے لئے ایک خوفناک
ضرورت ہے لیکن آپ نے عملاً اس کی
شدت کو کم کر دیا"

ایک اَور مؤرخ لکھتا ہے کہ آپؐ اسلامی لشکر کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ:-

"بوڑھوں، عورتوں اور بچوں سے درگذر
کرو۔ ان لوگوں کے گھروں کو نہ گراؤ جو
تمہارا مقابلہ نہ کریں۔ اور ان کی وجہ
معاش کو برباد نہ کرو۔ پھلدار درختوں
کو تباہ نہ کرو۔ کھجور کے درختوں کو
مت چھیڑو"

ایک علیحدہ باب میں ہم عیش پرستی کے الزام کا جواب دیں گے اور دکھائیں گے کہ فی الحقیقت اس مصلح کا کام نہایت اعلیٰ اور شاندار تھا۔ ہاں یہی وہ مصلح تھا جس نے ایک بُت پرست اور وحشی قوم کو کیچڑ سے نکال کر ایک متحد اور موحد جماعت بنا دیا۔ اور ان میں اعلیٰ اخلاق کی رُوح پھونک دی۔

بعض مخالفین کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھی اکثر خود پسند مفکر تھے یا لالچی لیٹرے تھے جو فتح مندی اور لُوٹ مار کی غرض سے آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن واقعات اِس الزام کی تردید کرتے ہیں۔ ہم بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ آپ کے اکثر ساتھی نورِ اخلاص سے منوّر ــــ بے حد رحم دل اور قلبی جوش سے پُر تھے۔ ہم یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ بعض لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی، جب تک ایک پُر زور اخلاقی قوت اُن کے شاملِ حال نہ ہو اور اپنے مقصد کی حقانیت پر کامل یقین نہ ہو۔ اور اسلام کے اندر یہی قوتیں تھیں۔

اسلام کی قوّتِ تسخیر

عام الزامات جو اسلام کے خلاف لگائے جاتے ہیں ہم نے ان کا مختصر جواب دیدیا ہے۔ اب ہمارے سامنے ایک اَور سوال ہے۔ یعنی اِس بات کا کیا جواب ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں نے غیر مسلم شہریوں کو دھرم سے آزادی دی۔ اور خود کوئی تبلیغی نظام بھی قائم نہ کیا۔ پھر بھی اسلام ایشیا اور افریقہ میں روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ حالانکہ موجودہ زمانے میں لوگ مذہب سے بیگانگی اختیار کرتے جاتے ہیں۔ آج تو کوئی نہیں کہہ سکتا

کہ فاتح کی تلوار اسلام کے لئے راستہ صاف کر رہی ہے بلکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی جن علاقوں پر کبھی مسلمان حکومت کرتے تھے آج وہاں غیر اسلامی حکومت قائم ہے اور غیر مسلم مضبوط تبلیغی ادارے بھی موجود ہیں جو عرصہ دراز سے مسلمانوں کے اندر تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ لیکن مسلم اقوام کی زندگی پر جو اسلامی سکہ جما ہے یہ ادارے اسے دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اس مذہب میں وہ کونسی معجزانہ طاقت مخفی ہے۔ وہ کونسی باطنی تاثیرات مضمر ہیں، وہ کونسی جاذبیت کارفرما ہے جو انسانی روح کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اور ایک پُرجوش تاثر پیدا کرتی ہے۔

باب دوم

اسلامی عقائد کی سادگی

اسلام ہر فرد کو دو باتوں کی طرف بلاتا ہے۔ یعنی یہ کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔

نبی عرب نے بے جان اشیاء کے پرستاروں اور بگڑی ہوئی عیسائیت اور یہودیت کے ماننے والوں کو خالص توحید کا پیغام سنایا۔ اور یہ پیغام قرب الٰہی اور وحی آسمانی پر مبنی تھا۔ انسان رجعت پسند ہے۔ اور اس وجہ سے خدا کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک ٹھہرانے کی طرف جھک جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام ان تمام رجعت پسند میلانات کے کھلے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ ۔ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہیں جنا اُس نے نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور نہیں اس کی برابری کرنے والا کوئی۔ (اخلاص ۱ تا ۵)

توحید باری

آپ نے توحید کی تعلیم دی لیکن اس غرض کے لئے آپ نے لوگوں کو ایسے قصے کہانیوں سے نہیں بہلایا جو قانونِ قدرت کے خلاف ہوتے ہیں اور معجزات کہلاتے ہیں۔ نہ ہی آپ نے آسمانی دھمکیاں دیکر لوگوں کو خاموش رہنے پر مجبور کیا۔ ایسی دھمکیاں دراصل انسان کی آزادیٔ فکر کو زائل کر دیتی ہیں۔ بلکہ آپ نے دعوت دی کہ کائنات اور اس کے قوانین پر غور کرو اور حقائق کے دائرے سے باہر نہ نکلو۔ آپ نے چاہا کہ لوگ صحیفہ فطرت کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اس مطالعہ کا لازمی نتیجہ توحید باری ہے۔ محمد عبدہٗ اور امیر علی بجا بیان ہیں کہ آپ اس بات کو کافی سمجھتے تھے کہ انسان کے ضمیر اور وجدانِ صحیح کو متاثر کیا جائے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ اور تمہارا معبود ایک یعنی اللہ ہے۔ نہیں کوئی معبود مگر وہی رحمن اور رحیم ہے (بقرہ-۱۶۴)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں، اور کشتیوں میں جو کہ سمندر میں چلتی ہیں ساتھ اس (مال) کے جو نفع دیتا ہے، اور جو اُتارا اللہ نے بادل سے یعنی پانی۔ پھر زندہ کیا اس کے ذریعہ زمین کو بعد اس کی موت کے۔ اور پھیلائے اس میں ہر قسم کے جانور، نیز ہواؤں کے چلانے

اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان سے مزد
تمہاری خدمت میں لگائے گئے ہیں اہلِ عقل لوگوں کیلئے بہت سے
نشانات ہیں بعض لوگ اللہ کے سوا معبود اختیار کر لیتے ہیں اور
ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیئے۔"

(بقرہ - ۱۶۴ تا ۱۶۶)

قرآن شریف کی بہت سی آیات میں پڑھنے والے کو
دعوت دی گئی ہے کہ وہ صحیفۂ فطرت کی پیش کردہ شہادت
پر غور کرے۔ ہم سورۃ رحمٰن سے چند آیات پیش کرتے ہیں:-

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا
فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝
وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ مَرَجَ
الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ
الْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ
فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

اور زمین کو اس نے مخلوق کے لئے بنایا۔
اس میں میوے ہیں اور کھجوریں خوشوں والی
اور اناج ہے بھوسے والا اور پھول خوشبودار۔
پس اپنے رب کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے۔
پیدا کیا اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے
(جو مانند) ٹھیکری کے ہوتی ہے۔ اور پیدا کئے
جن شعلۂ آگ سے۔ پس اپنے رب کی
کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے۔ رب ہے دونو
مشرقوں کا اور رب ہے دونوں مغربوں کا
پس اپنے رب کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے۔
اس نے جاری کئے دو سمندر جو آپس میں مل
جائیں گے۔ درمیان ان کے ایک روک ہے
نہیں وہ ایک دوسرے سے بڑھ سکتے ہیں
اپنے رب کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے۔ ان
دونو سمندروں میں سے موتی اور مونگے نکلتے
ہیں۔ پس اپنے رب کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے
اور اس کے لئے جہاز ہیں اونچے کھڑے ہوئے
سمندر میں مانند پہاڑوں کے۔ پس اپنے رب
کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے۔

اسلام کی بدولت مختلف قسم کے کفر مغلوب ہو گئے اور
مذہبی آئین، عمرانی رسم و رواج، کائنات کے متعلق انسانی
تصور، سب کے سب ہولناک گڑھوں سے نکل کر آزاد
ہو گئے اور انسانوں کے دل تعصب سے پاک ہو گئے۔ اور
بالآخر انسان نے اپنی عظمت کو پالیا۔ اور وہ اپنے خالق
رب العالمین کے سامنے جھک گیا اور ابراہیم علیہ السلام
کی طرح اس نے اقرار کیا:-

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا
اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

یقیناً کر لیا ہے میں نے رُخ اپنا واسطے
اسکے جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو موحّد
ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔

(انعام - ۸۰)

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح وہ پکار اُٹھا:-

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَ
مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا
شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ
اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور
میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین
کے لئے ہے۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور
میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہوں اور میں
سب سے پہلا مسلمان ہوں (الانعام ۱۶۳/۱۶۲)

روح کو تعصب کی قید سے نجات ملی اور انسان کی قوتِ ارادی اُن بندشوں سے چھوٹ گئی جو اسے دوسروں کی مرضی یا نام نہاد مخفی طاقتوں کا محتاج بنائے رکھتی تھیں۔ پوشیدہ علوم کے جھوٹے محافظ، نجات کے دلال اور وہ تمام جھوٹے مدعی جو خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ بنتے تھے اور نتیجۃً یقین کرتے تھے کہ لوگ اُن کے محتاج ہیں۔ یہ سب کے سب اپنے منصبوں سے گر گئے۔ انسان صرف خدا کا عبد بن گیا اور دوسرے انسانوں کے متعلق اس کی وہ ذمہ داریاں قائم ہوئیں جو دو آزاد آدمیوں کے درمیان ضروری ہوتی ہیں۔ اسلام کے آنے سے پہلے انسان ایسے سماجی امتیازات میں مبتلا تھا جو خلافِ انصاف تھے۔ لیکن اسلام نے اعلان کیا کہ انسان آپس میں مساوی ہیں۔ اگر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر کوئی فضیلت ہے تو اسکی وجہ خاندانی برتری یا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جو ذاتی قابلیت پر مبنی نہ ہو بلکہ یہ فضیلت خوفِ خدا، اعمالِ صالح، اور اخلاقی اور علمی فوقیت کی وجہ سے ہے۔ قرآن کہتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ
ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا
وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔

اے لوگو! یقیناً پیدا کیا ہم نے تم کو ایک مرد
اور ایک عورت سے اور بنایا ہم نے تم کو
کنبے اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان
سکو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز
تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اور حدیث میں ہے کہ "اسلام نے اس فخر کو مٹا دیا جو کفار کا خاصہ تھا اور وہ اپنے آباء کی بڑائی جتایا کرتے تھے کیونکہ انسان آدمؑ سے پیدا ہوا اور آدم مٹی سے۔ خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔"

اسلام اور دیگر مذاہب

مقدس کتابوں کے مطالعہ پر لوگوں نے پردے ڈال رکھے تھے اسلام نے اُن پردوں کو چاک کر دیا۔ اور جو لوگ مقدس کتابوں کے ظاہری الفاظ کی رٹ لگاتے تھے یا جو عہدِ عتیق کے حامل ہونے کے دعویدار تھے اسلام نے طنزاً انہیں اس گدھے سے تشبیہ دی جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ ہر شخص کو جو مذہب کا شائق تھا اسلام نے حصولِ علم کی دعوت دی۔ تاکہ وہ خدا کے کلام کو سمجھ سکے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن شریف کے کوئی تعبیر نامے نہ تھے جو اُن کے عقائد کی بنیاد ہوں۔ نہ ہی انکے ہاں کوئی ایسی مجلس یا سبھا تھی جس نے رد و کد کے بعد معین قاعدے وضع کئے ہوں جو عقائد کی درستی کا تمغہ سمجھے جائیں۔ اسلام نے اپنے کسی پیرو کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ دوسرے بھائی کے عقیدے پر گرفت کرے۔ قرآن کریم نے فرمایا تھا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا
خَيْرًا مِّنْهُمْ ۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تحقیر نہ کرے
کوئی قوم کسی قوم کی۔ شاید کہ وہ ہو جائیں
اُن سے بہتر۔ (حجرات - ۱۲)

اور شواہد نے اس بات کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ کسی کے عقائد یا اعمال کو شرفِ قبولیت دینا صرف خدا کا کام ہے اور کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ محض اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی بنیاد پر کسی شخص کے پاکباز ہونے کا فتویٰ دے۔

اختلافی مسائل

بعد میں جب علم فقہ پست اور رکیک علمی مباحثوں کا ذریعہ بن گیا تو مختلف فرقے ایک دوسرے کو ملحد کہنے لگے اور حکومت پر دباؤ ڈالنے لگے کہ غیر معتقد اشخاص کے لئے سزا مقرر کرے۔ پانچویں صدی ہجری میں امام غزالیؒ اسلام کے بہت بڑے مفکر ہو گزرے ہیں آپ کی بدولت اس عقیدے کا اعلان ہوا کہ اصولی مسائل میں متفق ہونا مدارِ ایمان ہے۔ اور مسائل کی تفاصیل میں اختلافات رکھنے کی وجہ سے کسی کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ امام غزالیؒ نے تاکیداً فرمایا کہ "اے لوگو! مکہ کی طرف منہ کر کے جو شخص نماز پڑھتا ہے اُسے ملامت کرنے سے باز رہو" اس قاعدے نے مسائل کی ظاہری خوشنمائی کو بے قدر کر دیا۔ اور جو غالیانہ عقائد مدارِ نجات ٹھہرائے جاتے تھے، اُن پر پانی پھیر دیا۔ اور اسلامی معاشرے کو پھر اُسی کشادہ دلی اور رواداری کی رُوح سے ہمکنار کر دیا جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا۔ ورنہ خطرہ تھا کہ مذہب کی غلط تعبیروں کی وجہ سے رواداری کی یہ رُوح زائل ہو جائے۔

صفاتِ باری

اسلام کا خدا اپنی ذات میں واحد، صفات میں یگانہ اور اپنے افعال میں لاشریک ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے، کائنات پر حاکم ہے اور فیصلے کے دن کا مالک ہے۔ خدا تعالیٰ اِن لوگوں کو شرفِ حضوری دیگا جنہوں نے خدائی بلاوے کی تحقیر و تضحیک نہیں کی۔ اور جن کے دلوں میں یہ بات رچ گئی کہ مادی سامانوں اور سفلی اسباب کے باوجود حاجا

میں خدا تعالیٰ ہی اُن کا حاجت روا ہے۔ قرآن شریف کی ابتدائی سورتوں میں عالم معاد کا بیان ہے۔ مثلاً:۔

"مصیبت ہے ان کے لئے جو توبہ نہیں کرتے اور حق تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے۔ خوفناک سزائیں اور دردناک عذاب اُن کا مآل ہوگا۔

مصیبت ہے اُن کے لئے جو نبیوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کی تحقیر کرتے ہیں۔ خدا انہیں نابود کر دیگا کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہر بات کو سننے اور جاننے والا ہے۔ اس نے موت و حیات اور زمین و آسمان پیدا کئے۔ وہ عرش کا مالک ہے۔ اس کا علم کامل ہے۔ اس کی مرضی پر کوئی قید اور اس کی قدرت پر کوئی روک نہیں۔ اس کی مذکورہ بالا تمام صفات اسکے افعال میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر شے اس کی محتاج ہے اور وہ اپنی پیدا کردہ اشیاء سے ربط رکھتا ہے۔ وہ کسی مخلوق شے سے مشابہ نہیں۔ اس کا تعلق مخلوق سے اس لئے ہے کہ وہ اُن کا بنانے والا ہے۔ وہ اسی کی ہیں اور اسی کی طرف ان کی بازگشت ہوگی لیکن یہ طاقتور خدا عادل خدا ہے۔ کوئی غیر عادل خدا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ مخلوق کا چھوٹے سے چھوٹا عمل اس کے علم میں ہے اور وہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کریگا۔ وہ کسی سے ناانصافی نہیں کریگا اگرچہ کھجور کی گٹھلی پر چھلکے کے برابر کیوں نہ ہو"

جبر و قدر

اسلامی اور عیسائی فقہاء اکثر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ انسان کے فعل مختار ہونے کا مسئلہ کیونکر حل کیا جائے۔ مختلف فرقوں نے اپنے اپنے طریق پر اس کا حل پیش کیا ہے لیکن ہر ایک جواب کی بنیاد قرآن شریف کی مذکورہ بالا تعلیم اور دیگر آیات ہیں۔ یعنی یہ کہ خدا تعالیٰ عادل ہے اور انسان کے نیک یا بد فعل

انسان کی آزاد مرضی کا نتیجہ ہیں۔ محمد عبدہٗ کا قول ہے۔ کہ ابتدائے اسلام سے قریبی زمانے میں بعض لوگوں میں انسان کے غیر مختار ہونے کا خیال ترقی پکڑتا گیا۔ اور ایسا ماحول پیدا ہوتا گیا۔ کہ اس بات پر زور دیا جائے کہ انسان اپنے افعال میں غیر مختار ہے۔ یہاں تک کہ نیکی بدی، جرائم اور سزائیں سب کے سب خدا کی مرضی کی طرف منسوب ہونے لگے۔ اور یہ بات حقیقت کے خلاف سمجھی گئی کہ انسان کوئی آزاد مرضی رکھتا ہے۔ لیکن اب صورت اس کے برعکس ہے اور سوائے چند معمولی گروہوں کے اکثر مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ نیک و بد کی تمیز کرنا انسان کا اپنا کام ہے اور وہی اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔

خدا تعالیٰ ہدایت کے دروازے کسی پر بند نہیں کرتا حتیٰ کہ قصوروار شخص پر بھی نہیں۔ اس نے سب کو نیک کاموں کی طاقت اور توفیق دی ہے۔ قرآنِ حکیم کے جن بیانات کو اس تعلیم کے خلاف کہا جاتا ہے اُن کا صحیح منشاء اور مفہوم معلوم کرنا چاہیئے۔ انسان اور خدا کے تعلق کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک مسافر صحرا کے اندر منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے راستہ تلاش کرنے میں غلطی کر بیٹھے۔ ہاں جو شخص اپنے ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے خدا کے رحم و کرم کا مستحق ہے خدا اُسے ہدایت نصیب کرے گا۔ لیکن جو شخص نیک اعمال نہیں بجالاتا خدا اُسے تنہا چھوڑ دیگا لیکن خود اُسے بدی کے راستے پر نہیں ڈالے گا۔

ایسا قادرِ مطلق خدا سزا بھی دے سکتا ہے لیکن وہ رحیم بھی ہے۔ اپنے بندوں کا محافظ ہے۔ یتیموں کا والی ہے۔ گنہگار کے لئے ہادی ہے۔ دُکھوں کو دُور کرنے والا اور غریبوں کا دوست ہے۔ جلد معاف کر دینے والا آقا ہے۔ وہ سُنتا ہے۔ نوازتا ہے کیونکہ تمام بھلائی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

خُدا تعالیٰ کا رحم

قرآن شریف میں خدا تعالےٰ کی صفتِ رحیمیت کا بار بار ذکر آتا ہے۔ رحمٰن اور رحیم یعنی رحم کرنے والا اور مہربان۔ یہ دو صفات دراصل قرآن کی رُوحِ رواں ہیں۔

توبہ کرنے والے گنہگار کو خدا کی رحمت کا یقین دلایا گیا ہے۔ غلطی کرنے والا اس کے رحم کا اُمیدوار ہو سکتا ہے۔ خدا جسے سزا کا مستحق سمجھے اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ لیکن اس کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے وہ خود فرماتا ہے کہ رحم میرا غیر متبدّل قانون ہے۔ حدیث میں بھی بعینہٖ یہی مضمون ہے :۔

"جب خدا نے کائنات کی تکمیل کرلی۔ تو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا کہ میرا رحم میرے غضب پر غالب ہے۔"

"خدا نے رحم کے سَو حصے کئے۔ جن میں سے نناوے حصّے اس نے اپنے لئے خاص کر لئے اور ایک حصہ دُنیا کو دیا۔ بنی نوعِ انسان میں ساری آب و تاب اسی ایک حصّے کی وجہ سے ہے۔"

خدا کی صفات میں سے ایک صفت محبت ہے۔ قرآن فرماتا ہے:۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کریگا۔ (آل عمران - ۳۲)

لیکن یہی نہیں۔ چالیس احادیث کا ایک اہم مجموعہ ہے جس میں ایک حدیثِ قُدسی یہ ہے۔ کہ نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لیکر میرا بندہ میرا قُرب حاصل کرتا ہے پس میں اس کی آنکھ، کان، زبان اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا، سُنتا، بولتا اور چلتا ہے۔ ہستیٔ باری کا یہ تصور جو تمام مکمل صفات کا مظہر ہے اور تمام

ناقص صفات سے پاک ہے۔ شاید ہر ایک آدمی کی نظر
میں شرف اور بلندی کا حامل نہ ہو۔ یقیناً یہ کہا جائے گا
کہ اس میں کوئی جدت نہیں۔ بلکہ یہ تصور یہودیت اور
عیسائیت کے تصور سے مشابہ ہے۔ اور یہ کہ بندے اور
خدا کے درمیان جو تعلق ہے اُسے واضح کرنے کے لئے
اسلام نے کوئی نئی بات پیش نہیں کی لیکن یہ تنقید
بے مصرف ہوگی۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نئے تصورات پیش کرنے کے مدعی نہ تھے۔ بلکہ آپ نے
صاف فرمایا تھا کہ خدا نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ دین ابراہیمی
کو زندہ کردوں۔ کیونکہ بعد میں آنے والوں نے اس میں
خرابی ڈال دی ہے۔ اور خدا نے جو وحی پہلے انبیاء پر
کی مثلاً موسیٰ، یسعیاہ اور عیسیٰ علیہ السلام۔ اس کی
تصدیق کردوں۔ اور میں تو آخری شارع نبی ہوں۔

تکمیل دین

اسلام ایسے وقت میں آیا۔ جبکہ لوگ
مذہبی فرقوں میں بٹ چکے تھے۔
اور باہمی لعنت بازی اور جنگ وجدل میں مبتلا تھے۔
ہر فرقہ خود کو خدا کے کلام کا واحد اجارہ دار سمجھے بیٹھا تھا
وہ ایسا وقت تھا کہ تعصب اور عناد کو مذہبی زندگی کا
لازمی جزو سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر اعلان کیا کہ ہر
زمانے میں اور ہر نبی کی زبان پر ایک ہی دین تھا۔ اور
دراصل مذہب نے ہمیشہ یہی باتیں سکھائی تھیں کہ خدا
اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے۔ اس کی مرضی پر چلنا چاہیئے
اور اس کے حکموں کو ماننا چاہیئے۔ نیز اسلام نے اس
بات پر زور دیا کہ مختلف مذہبوں نے جو جو مختلف شکلیں
اختیار کیں اُن کا باعث خدا کا رحم تھا۔ اور خدا نے ہر
زمانے میں ہر قوم کو ایسا مذہب عطا کیا جو اسکی ضروریات
کے مناسب حال تھا۔ اور جوں جوں انسانی قویٰ ترقی کرتے
گئے مذہب بھی ترقی کرتا گیا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ نوع انسانی
پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اس قابل ہوگئی کہ تعلیمات الٰہی کو
پورے طور پر سمجھ سکے اور اس ہدایت پر کاربند ہوسکے۔ جو
جذبات کو ہی نہیں بلکہ عقل کو بھی متاثر کرتی ہے تو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تاکہ نوع انسانی کے
فائدے کے لئے تمام گزشتہ تعلیمات کو یکجا کردیں
اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے اختلافوں کا فیصلہ
کردیں اور آپ کی راہنمائی میں نوع انسانی کو دنیوی اور
اُخروی راحتیں میسر ہوجائیں۔

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان باللہ
اور ایمان بالرسول لازم ملزوم ہیں۔ اگر انسانی روح کو پہلے
سے ہی خدا کی ہستی کا یقین اور اس بات کا ظن غالب نہ ہو
کہ خدا تعالیٰ پیغمبروں کو اپنی ہدایات دیکر بھیجتا ہے۔ تو
ظاہر ہے کہ پھر نہ تو ہم نبیوں پر ایمان لاسکتے ہیں نہ الہامی
نوشتوں پر۔ پس انسان کا پہلا فرض ہے کہ تغیرات عالم پر
نگاہ ڈالے اور ان پر غور کرے تاکہ اُسے خدا کی ہستی پر
یقین حاصل ہو۔ یہ وہ اصل ہے جس سے خدا تعالیٰ پر
اور الہامی کتابوں پر ایمان پیدا ہوتا ہے۔

قرآن شریف کی حقانیت

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ
قرآن شریف ہے۔ یہ وہ مستقل اور غیر متبدل ذریعہ ہے
جو ہمیں یقینی علم عطا کرتا ہے۔ کوئی انسان اس جیسی کتاب
نہیں بنا سکتا۔ اس کی ہر ایک آیت جامع ہے۔ اس کتاب
کا حجم درمیانہ ہے۔ نہ بہت بڑا نہ بہت چھوٹا۔ اس کے
اسلوب بیان میں جدت ہے۔ اور زمانہ قبل از اسلام
میں اس اسلوب کا نمونہ عربی ادب میں نہیں ملتا۔ خارجی
مدد کے بغیر ہی قرآن کے ذاتی کمالات انسانی روح کو
متاثر کرتے ہیں۔ جب وہ اوامر و نواہی کو بیان کرتا ہے
تو اس کے لہجے میں ایک عجیب تاثیر ہوتی ہے اور بلاغت
بھی بدستور قائم رہتی ہے۔ قصص انبیاء، دنیا کے آغاز و
انجام کا ذکر، صفات باری کی تفسیر و تشریح، یہ امور تکرار

بیان کئے گئے ہیں لیکن یہ تکرار ایسی دلکش ہے کہ تاثیر میں کمی نہیں آنے دیتی۔ مضمون در مضمون چلتا ہے اور قوتِ بیان میں فرق نہیں پڑتا۔ باریکیٔ مضمون کے ساتھ شیرینیٔ کلام کا قائم رکھنا عموماً مشکل ہوتا ہے لیکن قرآن شریف میں یہ دونوں باتیں اکٹھی پائی جاتی ہیں۔ اور یہ کتاب فنِ خطابت کا کامل نمونہ پیش کرتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک اُمّی عرب تھے اور آپؐ نے ساری عمر میں دو تین شعر سے زیادہ نہیں کہے اور ان میں کوئی شاعرانہ بات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً یہ شعر کہ "میں نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں"۔ پس قرآن ایسی اعجازی کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کس طرح ہو سکتی ہے؟

اگرچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کو دعوت دی کہ وہ قرآن کی مثل یا کم از کم اس کی ایک سورۃ کی مثل بنا کر پیش کریں:۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن
مِّثْلِهِ - اور اگر تم کسی شک میں ہو اس کے
متعلق جو ہم نے اُتارا اپنے بندے پر
تو لاؤ کوئی سورۃ اس کی مانند (بقرہ-۲۴)

اگرچہ عرب میں کثرت سے ایسے لوگ موجود تھے جو فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ قرآن کے مقابل میں کوئی کلام پیش کر سکے۔ انہوں نے پیغمبرؐ کے خلاف ہتھیار تو اٹھائے لیکن قرآنی کمالات کا مقابلہ کرنے سے وہ عاجز رہے۔ وجہ یہ کہ قرآن اپنے اسلوبِ بیان اور قواعدِ بلاغت کی بے نظیری کے علاوہ اپنے مضامین کے اعتبار سے بھی بے مثل ثابت ہوا۔ اسمیں دوسری باتوں کے علاوہ پیشگوئیاں بھی درج ہیں۔ اور اُن واقعات کا بیان بھی ہے جو صدیوں پہلے ہو چکے اور لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے۔ اس میں قوانینِ قدرت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے اور مختلف دینی اور دنیوی علوم کا بیان ہے۔ اس میں علم کے ایسے وسیع خزانے ہیں جن میں بڑے سے بڑا فلسفی، ذہین سے ذہین آدمی، قابل سے قابل سیاست دان بھی حاوی نہیں ہو سکتا۔

ان تمام وجوہ کے پیشِ نظر قرآن ایک اُمّی کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔ وہ اُمّی جس نے اپنی ساری زندگی ایک ایسے معاشرے میں گزاری جو علم و فضل کے مقامات سے بہت دُور تھا۔ وہ اُمّی جو اس بات پر زور دیتا تھا کہ میں ایک بشر ہوں اور خدا کی مدد کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ پس قرآن کا منبع صرف وہ ذات پاک ہے جس کا علم زمین و آسمان کی ہر چیز پر محیط ہے۔

قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا مزید ثبوت یہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کا متن روزِ نزول سے آج تک خالص اور پاک رہا ہے اور انشاء اللہ روزِ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔ تمام اسلامی دنیا بار بار قرآن کو پڑھتی ہے لیکن اس کے پڑھنے سے کوئی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ پڑھنے والے اور سننے والے کے دل پر قرآن کی عظمت و جلال نقش ہو جاتے ہیں۔ اس کا حفظ کرنا بھی آسان ہے۔ اس زمانہ میں مذہب سے بے رغبتی کے باوجود قرآن کے ہزاروں حفاظ موجود ہیں۔ صرف مصر کے اندر جتنے حفاظ ہیں سارے یورپ میں اناجیل کے اُتنے حفاظ نہیں ہیں۔

اسلام کا جلدی سے پھیل جانا نہ تو طاقت کی وجہ سے تھا نہ سرگرم واعظوں کی کوشش کا نتیجہ۔ بلکہ اس کا باعث صرف یہ تھا کہ مسلمان جو کتاب مفتوحین کے سامنے پیش کرتے تھے (کہ چاہیں تو اسے مانیں چاہیں نہ مانیں) وہ خدا کی کتاب تھی اور عین صداقت تھی۔ اور یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ تھا جو آپؐ نے ایک ڈگمگاتی دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

اسلام اور سائنس

ابتدا میں دو بنیادی عقائد یعنی توحید و رسالت کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کے اور عقائد بھی ہیں۔ اور صدیوں کے غور و فکر کے بعد بھی اُمتِ مُسلمہ ان پر قائم ہے اور بہرحال کوئی اسلامی عقیدہ ایسا نہیں جو علومِ جدیدہ کے راستے میں روک ہو یا حکیمانہ صداقتوں کے خلاف پڑتا ہو۔

تخلیقِ عالم کے بارے میں قرآن تکوینی حالت اور دُنیا کی ابتدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔

کیا نہیں دیکھا اُن لوگوں نے جنہوں نے کُفر کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے۔ پس کھولا ہم نے اُنہیں اور ہم نے ہر چیز پانی سے زندہ کی۔ (انبیاء - ۳۱)

اور یہ بات انسان کے ذہنی قویٰ پر کوئی قید نہیں لگاتی۔ اور اس کی آزادروی میں مانع نہیں آتی۔ قوانینِ قدرت کے بارے میں قرآن اجمالاً بیان کرتا ہے کہ خدا نے ایسے قانون بنائے ہیں جو دُنیا پر حکومت کرتے ہیں اور کبھی نہیں بدلتے۔

اسلامی تعلیم سہل ہے

جس قدر دوسرے مذاہب ہیں اُن کی تعلیمیں اُن کے ماننے والوں کے لئے ایک بھاری بوجھ ہیں۔ اور اُن کا سمجھنا اور عمل میں لانا دشوار ہے لیکن اسلام بہت آسان مذہب ہے اور اس کے اصول نہایت سادہ اور صاف و شفاف ہیں۔

یہ مزید وجہ تھی جس کی بدولت اسلام اپنی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں بھی سُرعت سے پھیل گیا اور ایسے لوگوں میں پھیل گیا جو ایک رُوحانی انتشار میں مبتلا تھے۔ اور اپنے مذہب کے بعض اصولوں پر انہیں یقین نہیں رہا تھا۔ اسی وجہ سے اسلام ایشیا اور افریقہ کی غیر مہذب اقوام میں بھی مسلسل پھیل رہا ہے۔ کیونکہ لمبی تشریحوں اور پیچیدہ وعظوں کے بغیر ہی اسلام دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔

باب سوم

اسلامی ارکان کا مفہوم

خدا کو واحد لاشریک ماننے کے علاوہ اسلام کے بُنیادی اصول نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ اگر ہماری نگاہ اِن ارکان کے ظاہر تک ہی محدود رہے تو یہ ایک سطحی بات ہوگی اور اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ ہم سیپی کے خول کی تو تعریف کرتے ہیں اور اس بات سے غافل ہیں کہ اس کے اندر قیمتی موتی بھرے ہوئے ہیں۔ پس ہر اسلامی رُکن پر خوب غور کرنا چاہیئے تاکہ وہ راز معلوم ہو سکے۔ جس کی وجہ سے مومن کی رُوح پاک ہو کر رفتہ رفتہ خدا کا قرب حاصل کر لیتی ہے۔ غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ اِن ارکان کے دو مقصد ہیں۔ یعنی بندے کا خدا کی حمد و ثنا کرنا اور اس کی عنایات پر شکر کا اظہار۔

نماز

مؤذن جب پکارتا ہے کہ اے لوگو! اپنا اوّلین فرض یعنی نماز ادا کرو تو لوگ اشغالِ دُنیوی کو چھوڑ کر اپنے خالق کی یاد کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی حمد و ثنا سے نماز کو شروع کرتے ہیں اور سلام پر ختم کر دیتے ہیں۔ خدا کے دربار میں حاضری ہمیشہ دلوں کو اطمینان دیتی ہے۔ اپنے ماتھوں کو زمین پر رکھ کر مسلمان اپنی کامل اطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسلامی نماز کے

الفاظ اور حرکات ایک خاص حقیقت پر مبنی ہیں۔ اور وہ حقیقت ایسی دقیق نہیں کہ اوسط درجے کے آدمی کی سمجھ میں نہ آسکے۔ ان ارکان کی تشریح کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ کہنا کافی ہے کہ نمازی کی مختلف حرکات میں عجز و ادب پایا جاتا ہے۔ نماز کے الفاظ اور یہ حرکات مل کر نمازی کو اطمینانِ قلب عطا کرتے ہیں اور عالم سفلی سے پرے لے جاتے ہیں اور جاں نثاری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور عنایاتِ ایزدی پر انتہائی شکر کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مکہ کی طرف منہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اسلامی دنیا اس عظیم الشان جگہ کو یاد رکھے جہاں اس زندگی بخش مذہب نے جنم لیا۔ جو ایک مقدس مرکز ہے اور مومنوں کے دینی جذبات ہر وقت اس کے گرد گھومتے ہیں اور سب مل کر ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے کہ روحانی بلندی اور تزکیۂ نفس کے لئے نماز نہایت ضروری چیز ہے:-

اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ
تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مَا تَصْنَعُوْنَ ٥

پڑھ جو تیری طرف وحی کیا گیا کتاب میں
اور قائم کر نماز۔ یقیناً نماز روکتی ہے
بے حیائی اور ناپسندیدہ بات سے۔
اور البتہ ذکر اللہ کا بہت بڑی بات ہے
اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔
(عنکبوت - ۴۶)

خدا تعالیٰ اس بات سے خوش نہیں ہوتا کہ کسی مسلک کی پیروی رسماً کی جائے بلکہ وہ نیت کے خلوص کو چاہتا ہے۔ قرآن صاف فرماتا ہے:-

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔

اللہ کو قربانیوں کے گوشت اور ان کے خون
ہرگز نہیں پہنچیں گے لیکن پہنچے گا اسے
تقویٰ تمہاری طرف سے۔ (حج - ۳۸)

خدا تعالیٰ کا یہی منشاء کئی حدیثوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "مدینے کی مسجد میں ایک نماز کسی دوسری مسجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ سوائے مسجد مکہ (یعنی مسجدِ حرام) کے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز کسی دوسری مسجد میں ایک لاکھ نماز کے برابر ہے لیکن سب سے زیادہ ثواب اس نماز میں ہے جو انسان اپنے گھر پر ادا کرے جہاں خدا کے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا اور جس کی غرض صرف قربِ الٰہی ہے"

لازمی نہیں کہ اسلامی نماز کسی عبادت گاہ میں ادا کی جائے۔ بلکہ ہر صاف ستھری جگہ خدا سے قریب ہے اور وہاں نماز ادا ہو سکتی ہے اور انسان کا دل خدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ کسی پروہت کی ضرورت ہے نہ کسی بھینٹ چڑھانے کی۔ نہ کسی رسم کے ادا کرنے کی۔

نماز کو صحیح طریق سے ادا کرنے کے لئے ایک شرط ضروری ہے یعنی پاکیزگی۔ اور اس میں جسم، روح، لباس اور جگہ کی پاکیزگی شامل ہے۔ اسلام نے طہارت کے پرانے قاعدے کی اصلاح کی اور طہارت اور نماز کی تفصیلات کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو نمونہ قرار دیا۔ عبادت کے ادا کرنے کے طریقوں پر اسلام نے کوئی پابندیاں نہیں لگائیں۔ اور "دورِ حاضر" کا مصنف امیر علی اس بات پر زور دیتا ہے کہ دیکھئے قرآنی طریق عبادت میں کیسی عجیب سادگی اور وقار پایا جاتا ہے کہ اعلیٰ روحانی فرض کے ادا کرنے میں انسان کو ہر ممکن سہولت دی گئی ہے۔
نماز جمعہ میں خطبہ اور نماز باجماعت ہوتی ہے۔ یہ

خاص طور پر مفید اور اہم ہے۔ تمام مسلمان عبادت کے لئے جمع ہو کر اپنے مولا کے حضور عجز و اطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ اُن کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ اسلئے وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا اخلاقی تربیت اور فرمانبرداری کا عملی سبق ہے سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ امام کا خطبہ انشراحِ صدر اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

روزہ اسلام کا دوسرا رُکن روزہ ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ روزے سے یہ مراد ہے کہ ماہِ رمضان میں تمام دن کھانے پینے، جماع اور تمباکو نوشی سے پرہیز کیا جائے۔ اس سے تہذیبِ اخلاق، رحم اور نرم دلی کی مشق ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ مومن تمام جسمانی لذتوں سے کچھ عرصہ کے لئے پرہیز کرے۔ اس سے نفسانی جذبات کو روکنے کا سبق ملتا ہے۔ بھوکا رہ کر اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ بھوک کتنی تکلیف دہ چیز ہے۔ اور پھر وہ غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرنا سیکھ لیتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی قدر کرتا ہے۔ اور تہِ دل سے خدا کا شکر کرتا ہے۔ ہر صحت مند اور مضبوط آدمی پر روزہ فرض ہے۔ لیکن کمزور، مریض، مسافر، خدا کی راہ میں لڑنے والے کے لئے نرمی ہے۔ اور حیض، حمل اور رضاعت کے دنوں میں عورت کے لئے رعایت رکھی گئی ہے۔ کیونکہ خداتعالےٰ اپنے بندوں پر سختی نہیں کرنا اور کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

زکوٰۃ سارے مذاہب اِس بات کے قائل ہیں کہ اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے خیرات کرنا نہایت ضروری چیز ہے۔ کیونکہ یہ انسانی ہمدردی کا کھلا ثبوت ہے اور خدا کے فضل کو جذب کرنے کا ذریعہ لیکن صرف اسلام کی یہ امتیازی شان ہے کہ اس نے صدقات کو لازمی قرار دیا۔ اور جو بات عیسٰی علیہ السلام نے صرف کہی تھی اسلام نے اسے عملی قانون بنا دیا۔ ہر مسلمان شرعاً اِس بات کا پابند ہے کہ اپنے مال کا ایک مقررہ حصہ ادا کرے۔ تاکہ غریبوں، محتاجوں، مسافروں اور اجنبیوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اِس فرض کے ادا کرنے سے دل میں خدا ترسی کا احساس ترقی پاتا ہے اور مومن کا دل بخل سے پاک ہوجاتا ہے۔ اور وہ خداتعالیٰ کے انعامات کا اُمیدوار ہوجاتا ہے۔

حج اگر بعض شرائط پوری ہوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ مکے کا حج کرے۔ اِس حکم میں بہت گہری حکمتیں مخفی ہیں جن پر حاوی ہونا انسانی دماغ کے لئے مشکل ہے لیکن بعض فائدوں کو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور اُن سے حج کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے۔ ہر سال دُنیا کے تمام حصوں سے چل کر مسلمان ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں اور کوئی شخص اِس اجتماع کے فوائد کا انکار نہیں کرسکتا۔ عرب، ایران، افغانستان، جزیرہ نمائے ملایا، ملک مغرب، سوڈان اور دوسرے ملکوں کے باشندے اس مقدس عبادت گاہ میں ایک مرکز پر جمع ہوجاتے ہیں۔ اور سب کا ایک ہی مقصود ہوتا ہے کہ خدائے رحیم سے مغفرت مانگیں۔ علاوہ ازیں ایک ہی مقصد کے لئے ایک ہی جگہ پر جمع ہو کر مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور محبت اور اخوت کے نئے رشتوں میں منسلک ہوجاتے ہیں۔

ایک مسلمان کی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ایسا موقع پیش آتا ہے کہ وہ تمام اختلافات جو امیر و غریب اور محتاج و غنی کے درمیان ہیں بالکل مٹ جاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ حج کے دَوران میں ہر شخص کے بدن پر ایک ہی قسم کا سادہ لباس ہوتا ہے۔ ہر شخص زیب و زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور ہر شخص کی زبان پر ایک ہی کلمہ ہوتا ہے یعنی اللہ اکبر۔ جب حاجی مناسکِ حج ادا کرتا ہے۔ مثلاً کعبہ کا طواف کرنا عرفات میں جمع ہونا، منیٰ میں قربانی کرنا۔ تو اس کے

دل میں گزشتہ نبیوں اور ولیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جو ان مبارک جگہوں میں رہے ہیں۔ دین حنیف کے بانی ابراہیم علیہ السلام، آپ کی اہلیہ ہاجرہؓ اور آپ کے فرزند اسمٰعیلؑ کے کارنامے پھر سے زندہ ہو جاتے ہیں اور حاجی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوجاتی ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور لوگوں پر رحم کرنے کا جو نمونہ انہوں نے دکھایا ہے اس کی پیروی کی جائے۔

حج کے متعلق جو شرطیں لگائی گئی ہیں ان سے بھی خدا کی حکمت عیاں ہے۔ وہ شرطیں جن کے ماتحت حج فرض ہوجاتا ہے یہ ہیں۔ مکمل فراغت، سفر اور حضر کے اخراجات برداشت کرنے کی طاقت، حج کے دوران میں اپنے اہل وعیال کے گزارے کا بندوبست اور سفرِ حج کا قابلِ عمل اور مناسب حال ہونا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ فریضۂ حج کو ادا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ اور آدابِ حج کے متعلق بھی سخت اور بے لچک قاعدے نہیں بنائے کیونکہ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں سہولت دینا چاہتا ہے اور تم پر کوئی سختی ڈالنا نہیں چاہتا" (بقرۃ - ۱۸۶)

مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

نہیں چاہتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی تنگی لیکن وہ چاہتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور تاکہ پوری کرے تم پر اپنی نعمت تاکہ تم شکر کرو۔ (مائدہ - ۷)

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

نہیں ذمہ دار قرار دیتا اللہ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ (بقرۃ - ۲۸۷)

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔

چاہتا ہے اللہ کہ ہلکا کرے بوجھ تم سے اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور (نساء - ۲۹)

مذکورہ بالا اصولوں کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ۔ "اس دین میں کوئی شدت نہیں"

باب چہارم

اسلام کا اخلاقی نظام

ایک غلط اصول کی تردید

بعض مغربی مصنف الزام دیتے ہیں۔ کہ اسلام کا اخلاقی نظام انسان کے لئے خطرناک ہے کیونکہ اس نظام کی روحِ رواں یہ اصول ہے کہ اپنی مرضی کو چھوڑ کر خدا کے آگے مکمل تسلیم و رضا اختیار کی جائے۔ اور لفظ اسلام میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جو شخص اپنی آزاد مرضی کو چھوڑ دے اور ہمہ تن اس قادرِ مطلق کا محتاج ہو جائے اور بکلی اس کے ہاتھوں میں چلا جائے تو ایسے شخص کیلئے نیکی کے محرکات اس شخص سے کمتر ہوں گے جو یہ سمجھے کہ میں خدا کے سامنے کھڑا ہوں لیکن اپنی مرضی کا مالک ہوں۔

تہذیبِ اخلاق کے لحاظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں جو نور پایا جاتا ہے اس کا بیان تو ہم بعد میں کریں گے لیکن سر دست گولڈ زاہر نامی ایک یورپین عالم کے الفاظ میں ہم مذکورہ الزام کا جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک مسلمان کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ وہ ایسے الٰہی قوانین کا تابع ہے جو کبھی

نہیں بدلتے۔ اور اس کا ایمان ہے کہ خدا غیر محدود ہے تو کیا یہ امور اُسے روک سکتے ہیں کہ ایمان نیکی اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے خدا کا قرب حاصل کرے اور اس کی رحمت میں داخل ہو جائے۔ کیا مذہب کے اندر فلسفیانہ منصوبہ سازیاں کام دے سکتی ہیں یا کیا اس شخص کے اخلاص میں کوئی کمی آسکتی ہے جو خدا کا سچا پرستار اور اپنی کمزوری اور نفس کے جوشوں سے باخبر ہے اور عاجزی کے ساتھ اپنی روح کو اُس ہستی کے آگے ڈال دیتا ہے جو قدیر ہے اور ہر ایک طاقت اور کمال اسی کے ہاتھ میں ہے"

اسلامی اخلاق کا فلسفہ

تکمیل اخلاق کے راستے میں اسلام نے کبھی روک نہیں ڈالی۔ بلکہ اسلام کے اندر ایک زبردست طاقت تھی جس نے نیک اعمال کی ترغیب دلائی۔ اسی وجہ سے اسلام دوسرے مذاہب کی نسبت جلد تر کامیاب ہو گیا اور اس نے لوگوں کی تربیت کی اور انہیں خدا تعالےٰ کی طرف کھینچ لیا۔ اسلام کامیاب ہو گیا۔ اس لئے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کی اخلاقی ذمہ واری پر کئی لحاظ سے دوسرے توحید پرست مذاہب سے بہت زیادہ زور دیتا تھا اور اُن مذاہب کے انبیاء کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مانتے تھے۔ اسلام کی کامیابی کا یہ بھی سبب تھا کہ اس نے انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا اور مومنوں کو ترغیب دی کہ جہاں تک ان کی طاقت ہو حصولِ مقصد کی کوشش کریں۔ عیسائیت اور یہودیت جن اعمالِ صالحہ کو اخلاقاً انسانی زندگی کا منتہا سمجھتی ہیں اسلام نے بھی اُنہیں بیان کیا اور اسلامی نصب العین قرار دیا ہے۔ مثلاً تمام مخلوق پر رحم، مصالحت، عفو، سادگی، معاشرتی معاملات کی درستی، مصائب میں صبر و رضا، علیٰ ہذا القیاس ہزاروں جگہ قرآن شریف نے اعمالِ صالحہ پر زور دیا ہے۔ قلتِ وقت کے لحاظ سے ہم کہیں کہیں سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں:-

وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ - فَكُّ رَقَبَةٍ - اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ - يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ - اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ -

اور کیا جانے تو کہ کیا ہے وہ گھاٹی - آزاد کرنا غلام کا - یا کھانا کھلانا بھوک والے دن میں یتیم رشتہ دار کو یا مسکین حاجت والے کو - (بلد ۱۴ تا ۱۷)

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى - لَا يَصْلٰهَا اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى - وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى - وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى - اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى - وَلَسَوْفَ يَرْضٰى -

پس میں نے ڈرایا تم کو آگ سے جو شعلہ مارتی ہے - نہ داخل ہو گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے (نبیوں کو) جھٹلایا اور (صداقت سے) مُنہ پھیرا - اور ضرور دُور رکھا جائے گا اُس آگ سے پرہیزگار - وہ جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کو - اور نہیں کسی کے لئے پاس اس کے کوئی احسان جس کا بدلہ دیا جائے سوائے اپنے بلند مرتبہ رب کی رضا چاہنے کے - اور ضرور خدا

اُس سے راضی ہوگا۔ (ویل - ۱۵-۲۲)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

اور کھلاتے ہیں کھانا محبت پر اس کی مسکین اور یتیم اور قیدی کو (یہ کہتے ہوئے) کہ ہم کھلاتے ہیں تم کو رضائے الٰہی کیلئے۔ ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے

(دہر - ۹-۱۰)

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور جلدی کرو بخشش کی طرف اپنے رب کے اور جنت کی طرف کہ چوڑائی اسکی آسمان اور زمین ہیں وہ متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ وہ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراخی میں اور تنگی میں اور غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اور اللہ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

(آل عمران ۱۳۳-۱۳۴)

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

نہیں ہے نیکی یہ کہ پھیرو تم اپنا رُخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور اس نے دیا مال باوجود اسکی محبت کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور وہ جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب عہد کرتے ہیں۔ اور سختی اور تنگی میں صبر کرنے والے ہیں اور بوقت جنگ۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سچ بولا اور یہ لوگ ہی متقی ہیں۔ (بقرۃ - ۱۷۸)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اور آپس میں مدد کرو نیکی پر اور تقویٰ پر

اور آپس میں مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر اور ڈرو اللہ سے یقیناً سزا دینے میں اللہ سخت ہے۔ (مائدہ - ۳)

جس طرح اسلام خدا تعالیٰ کے رحیم و کریم ہونے پر زور دیتا ہے اسی طرح ان اعمالِ صالحہ کی بھی تاکید کرتا ہے جو اپنے پڑوسی پر رحم کرنے کا موجب ہوں۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ یتیموں، غریبوں، مسکینوں اور مصیبت زدوں کی امداد نہایت مستعدی سے کی جائے۔ اور اعلان کرتا ہے کہ اخوت اور فیاضی دونو اسلامی معاشرے کے کونے کے پتھر ہیں۔ اگر ہم اسلامی زمانے کا مقابلہ ایامِ جاہلیت سے کریں تو اسلام نہایت کامیاب ثابت ہوتا ہے اور قرآن کے متعدد مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایامِ جاہلیت میں دولت مند سردار تکبر اور حرص کی وجہ سے غریبوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ ہر کاروباری معاملہ میں ہمیشہ بدعہدی کا اندیشہ رہتا تھا۔ پڑوسی کے متعلق نہایت معمولی فرائض کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ جن آیات میں انصاف کی تعلیم دی گئی ہے ہم ان میں سے صرف دو آیتیں پیش کرتے ہیں:۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ - پس فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ اور نہ پیروی کرو نفسانی خواہش کی ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیگی۔ (ص - ۲۷)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

یقیناً اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ ادا کرو امانتیں ان امانت والوں کو۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (نساء ۵۹)

ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے کہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے خدا ترسی کے کس قدر گہرے جذبات پیدا ہوتے ہیں:۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝

اور تیرے رب نے تاکیدی حکم دیا کہ نہ عبادت کرو مگر اسی کی اور ماں باپ کیساتھ نیکی کرو۔ اگر تیرے پاس وہ دونو یا ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان کو عزت والی بات کہو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو جھکاؤ رحمت سے اور کہو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی۔

(بنی اسرائیل - ۲۴-۲۵)

عیسائی کہتے ہیں کہ انجیل نے صفتِ حلم پر بار بار زور دیا ہے اور یہ ہمارے مذہب کا امتیاز ہے۔ قرآن شریف کی بعض آیتیں اسی مضمون کو یاد دلاتی ہیں۔ مثلاً اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ - بدی کو دور کر بہترین طریق کے ساتھ۔ (مومنون - ۹۷)

ہم قرآن کریم سے اسی قسم کے اور بہت سے حوالے پیش کر سکتے ہیں جو سب کے سب نہایت اعلیٰ ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ ہم یہاں ایک اور مسئلے کا ذکر کریں جو نیکی کے محرکات

میں سے سب سے قوی محرک ہے یعنی یہ مسئلہ کہ دنیوی زندگی اُخروی زندگی کے لئے ایک بیج کی طرح ہے اور اس زندگی میں جو بھی نیکی کے کام ہم کریں گے آئندہ زندگی میں وہ انتہائی راحت پہنچائیں گے - اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے باطنی پاکیزگی اور حسنِ عمل کی ضرورت ہے - خدا کے دربار میں ہر شخص کے سامنے اس کی کوششوں کا نتیجہ پیش کیا جائے گا -

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

پس جو کوئی عمل کرے گا ذرہ کے برابر نیکی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی عمل کریگا ذرہ کے برابر بُرائی وہ اسے دیکھ لے گا - (زلزال ۹)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

یقیناً اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ کے برابر اور اگر نیکی ہو تو وہ اُسے بڑھاتا ہے اور دیتا ہے اپنی جناب سے اجر بڑا (نساء - ۲۱)

اس کے برعکس شریروں اور بدکاروں کو بہت ہولناک اور تکلیف دہ سزائیں دی جائیں گی - آخری فیصلہ بہت پُرغضب الفاظ میں پیش کیا گیا ہے یعنی خدا تعالےٰ جو کائنات کا سب سے بڑا حاکم ہے نیکوں سے فرمائے گا - کہ فنا شدہ دُنیا کو چھوڑ کر میری رحمت میں داخل ہو کر مجھ سے واصل ہو جاؤ - لیکن جن لوگوں نے نبیوں کی نصیحت کو نہ مانا اُن سب کو قعرِ جہنم میں ڈالا جائے گا -

اسلامی بہشت

یہاں پر اس اعتراض کا جواب دینا بھی ضروری ہے جو غیر مسلموں کی طرف سے اُٹھایا جاتا ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسے بہشت کا وعدہ دیا ہے جو ہوس پرستی کا ذریعہ ہے - جہاں آہو چشم حُوریں ہوں گی - دُودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی - لذیذ پھل اور پُربہار سبزہ زار ہوں گے - اور اعلیٰ جسمانی لذتیں درجہ بدرجہ میسّر ہوں گی - اس قسم کے معترض اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ بادیہ نشینوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ اعلیٰ درجہ کی رُوحانی نعمتوں کو سمجھ سکیں - اسلئے ضروری تھا کہ بہشت کی کیفیت کو سادہ الفاظ اور ظاہری رنگ میں پیش کیا جائے - کچھ عرصہ بعد ہی یہ ممکن تھا کہ بدوی لوگ اعلیٰ روحانی مقام پر پہنچ جائیں اور اس بات کو سمجھ سکیں کہ انسانی عجز اور محبت کا یہی تقاضا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے - لیکن یہ بہتان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی بہشت کی بابت اس قسم کے بیانات کو ظاہر پر محمول کرتے تھے -

بہشت کی حقیقت ان بیانات سے وراء الوراء ہے اور بقول امام غزالی بہشت کی سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ رُوح کو خدا تعالیٰ کے دیدار سے ایک عجیب سرور حاصل ہوگا - اور خدا اور بندے کے درمیان جو حجاب ہیں وہ بالآخر اُٹھا دیئے جائیں گے اور خدا تعالےٰ کا حسن و جمال پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہو جائیگا - بہشت کے اس مفہوم کی تائید میں ایک حدیث بھی ہے کہ خدا تعالےٰ کے سب سے محبوب بندے وہ ہوں گے جو ہر وقت اس کے جمال کا مشاہدہ کریں گے اور روحانی لذت حاصل کریں گے - اور اُس روحانی لذت کو جسمانی لذات سے وہی نسبت ہے جو سمندر کو قطرے سے -

اعمال کا محاسبہ

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا محاسبہ کس طرح کرے گا - آیا یہ محاسبہ کسی خارجی معیار یا اعمال کے نتائج پر مبنی ہوگا - نہیں - قرآن صاف فرماتا ہے کہ خدا کی نظر نیّت اور ارادے پر ہے جس کے ماتحت اعمال صادر ہوتے ہیں -

اور اعمال کا رُوحانی محاسبہ نیت کی بناء پر کیا جائے گا۔ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا کی نظر میں وہ عمل مقبول نہیں جس میں قانون کی ظاہری پابندی کے ساتھ رحم اور خلوص شامل نہ ہو۔ اور جو عمل خود پسندی اور ریاکاری کے ماتحت صادر ہوں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہی مضمون ہم ایک اور جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں یہ بحث تھی کہ رسمی طریق پر احکام دین کو بجالانا کچھ چیز نہیں۔ مومن کے اعمال کے بارے میں بھی اسی اصول کا اعادہ کیا گیا ہے۔ عقیدہ خالص ہونا چاہیئے اور صحتِ نیت اور راستبازی پر مبنی ہونا چاہیئے۔

اسلام میں نمود و ریاء کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ حتّٰی کہ بعض موقعوں پر اسے شرک قرار دیا گیا ہے کیونکہ بعض مصنفین کی دلیل ہے کہ جن لوگوں کے اعمال میں نمود و ریاء کی ملونی ہے وہ انسانوں سے اجر پانے کے خواہشمند ہیں اور یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔

نیکوں اور بدوں کے حالات

ہمیشہ سے یہ مسئلہ انسانی دماغ کیلئے ایک معمہ رہا ہے کہ شریر لوگ بظاہر خوشحال کیوں نظر آتے ہیں۔ اور نیک آدمیوں پر اکثر مصیبتیں کیوں آتی ہیں۔ اسلام اِس عقدے کو بھی حل کرتا ہے۔ اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ باغیوں اور ظالموں کو ایک عرصہ تک مہلت دیتا ہے۔ اور یہ مہلت بعض دفعہ اُن کی موت تک چلی جاتی ہے لیکن ایک وقت ضرور آئیگا جب خدا جزا اور سزا دے گا۔ اسلام کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ بعض دفعہ مصائب کے ذریعے سے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے تاکہ یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ کس حد تک خدا کے سچے پرستار عجز و اطاعت کے ساتھ اس کی مرضی پر راضی ہیں اور یہی ان کا وِرد ہے کہ ہم خدا کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

حدیث کی ضرورت

احادیث میں نکوکاری اور رحمدلی کی خوب تصریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی اخلاقی قدروں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے مختلف حالات کو ایک ضابطے کے اندر لانے کے لئے صرف قرآنی آیات پر حصر کرنا کافی نہ تھا۔ اسلیئے اُن آیات کے مضمون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں کلمات کے ذریعے سے مکمل اور واضح کیا گیا ہے جو آپ کے مُنہ سے نکلے۔ اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ بعض حدیثوں کی صحت و قدامت کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بالفرض اگر تمام حدیثیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی نہ پہنچتی ہوں تو بھی حدیثوں کا کثیر حصہ ایسا ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے جذبات کا صحیح ترجمان ہے اور اسلام کی رُوحِ رواں کا آئینہ دار۔ احادیثِ ذیل کی دلکشی اور معنی آفرینی قابلِ غور ہے۔

(الف) "جو شخص کسی یتیم کے سر پر پیار دیتا ہے تو ہر ایک بال جس کو اس کے ہاتھ نے چھوا قیامت کے دن اُس کے لئے ازدیادِ نور کا باعث ہوگا۔"

(ب) "ہر مکان کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ بہشت کی کنجی چھوٹوں اور غریبوں سے محبت کرنا ہے۔"

(ج) "وہ شخص مومن نہیں جو اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔"

(د) ایک شخص جو پادیہ گرد تھا اسلام میں داخل ہوا۔ اس کی بیان کردہ حدیث نہایت جامع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات نصیحتیں کیں:۔

(۱) غریبوں سے محبت کرو اور اُن کے قریب رہو
(۲) ہمیشہ اُن لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے

نچلے طبقے میں ہیں۔ اور اُن کی طرف نہ دیکھو جو تم سے
اُوپر کے طبقے میں ہیں۔

۳۔ کبھی کسی سے سوال نہ کرو۔

۴۔ اپنے والدین سے ہمیشہ نیکی کرو۔ خواہ وہ تمہیں دُکھ دیں۔

۵۔ ہمیشہ سچ بولو۔ اگرچہ سچ بولنا تلخ ہو۔

۶۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہانت کے نتیجے میں تم راہِ حق کو چھوڑ دو۔

۷۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ اُس خزانے کا حصّہ ہے جو عرش الٰہی کے نیچے مخفی ہے۔

بعد میں جب اسلام کے اندر تصوّف داخل ہوا تو انسانی رُوح کے سامنے اس سے بھی بلند تر مقصد رکھا گیا۔ یعنی یہ کہ انسانی کمال و راحت اِس بات میں ہے کہ وہ اخلاقِ الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور صفاتِ الٰہی کی حقیقت کو سمجھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اِس پر شاہد ہے۔ یعنی تخلقوا باخلاق اللہ۔ کہ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔

حدیثوں سے ایک اور مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے جو اسلام کے لئے ایک امتیازی نیک نامی کا باعث ہے یعنی یہ کہ خدا تعالیٰ کا رحم انسان تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اس کی محبت اور رحم سے حیوانات بھی حصہ پاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک انسانی اور حیوانی زندگی ایک ہی اساس پر ہے۔ پس اگر انسان غضبِ الٰہی کا مورد نہیں بننا چاہتا تو اُسے حیوانات پر بھی مہربانی کرنی چاہیئے۔ اور اس کا فرض ہے کہ ہمیشہ ان کے آب و دانہ کا خیال اور آرام و آسائش کی نگہداشت رکھے۔

اسلام ایک آسان مذہب ہے

اسلام نے قرآن شریف اور سُنّتِ نبوی ؐ کے ذریعے سے انسان کو نیکی کا راستہ دکھایا لیکن انسانی فطرت کی ضروریات کو فراموش نہیں کیا۔ اور نہ ہی عبادات کے مقرر کرنے میں انسانی کمزوریوں کو نظر انداز کیا ہے۔

اسلام نے ایک اخلاقی نصب العین قائم کیا ہے جس کی طرف اضطراب کی حالت میں انسان رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ حقیقت کی حدود سے آگے نہیں گیا اور نہ ہی اس نے نیکی کے ایسے معیار مقرر کئے ہیں جو بعض چیدہ اشخاص کے سوا دوسروں کی پہنچ سے باہر ہوں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے ایسے صحت مند اصُول مقرر کئے ہیں جو قابلِ عمل ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کے بعد ان کی صحت و صداقت زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

اسلام دیانت و امانت کا ایک بلند معیار قائم کرتا ہے۔ لیکن وہ قانونِ فطرت سے باہر نہیں جاتا۔ بلکہ فطرتِ انسانی کے زیادہ قریب رہتا ہے۔ اور سچی راحت کی جائز تمنّاؤں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور اِس بات کو روا نہیں رکھتا کہ دینی زندگی اور دُنیوی چلن کے اندر بُعد ہو۔ بلکہ اسلام ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں انسان خدا کا مخلص عبد بھی اور معاشرے کا رُکن بھی ہو۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ جو کچھ اس نے انسان کو عطا کیا ہے اس سے پُورا پُورا فائدہ اٹھایا جائے۔ ہر انسان کو خدا تعالےٰ نے بعض نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اُن سے فائدہ اٹھانا جائز ہی نہیں بلکہ عین فرض ہے لیکن ضروری ہے کہ انسان ان عطیات سے نہ تو خود کو نقصان پہنچائے نہ اپنے ہمسائے کو۔ قرآن فرماتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا
اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ

اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں کوئی گناہ اس چیز میں جو انہوں نے کھائی جبکہ انہوں نے تقویٰ کیا اور ایمان لائے اور نیکیاں کیں پھر تقویٰ کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ کیا اور احسان کیا اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (مائدہ۔ ۹۴)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

تو کہدے کس نے حرام کی ہے زینت اللہ کی جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے نیز پاکیزہ رزق جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کئے ہیں" (اعراف ۳۳)

انسانی زندگی کی سچی معرفت حاصل کرنے کے لئے حدیثیں ایک نہایت مضبوط سہارا ہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حدیثیں نہایت بلند اخلاقی قدروں کی حامل ہیں۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ حدیثوں کی صحت پر کسی شخص کی جرح قدح سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں اسلامی دنیا ان حدیثوں کی صحت کی قائل ہے اور حدیثوں کی ہدایتوں پر عمل پیرا ہے۔

ایک مشہور حدیث ہے کہ اسلام میں رہبانیت جائز نہیں۔ دراصل اسلام اس بات سے بے نیاز ہے کہ رہبانیت اختیار کر کے جسم کو دکھ میں ڈالا جائے اور غیر ضروری مشقتیں کی جائیں مسلسل روزے رکھے جائیں۔ اور تمام رات عبادت میں گزاری جائے۔ نکاح کے معاملہ میں حدیثیں اس تعلیم پر اکتفا کرتی ہیں کہ نیک اور تعمیری زندگی بسر کی جائے اور اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے اور یادِ الٰہی کے ساتھ ساتھ جسم کے حقوق اور معاشرے اور خاندان کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ تم میں سے وہ شخص بہتر نہیں ہے جو دنیوی راحتوں کی خاطر حیات بعد الموت کو بھلا دے اور نہ وہ شخص بہتر ہے جو اس کے برعکس عمل کرے۔ بلکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو ان دونوں سے حصہ لے۔

ایک مفرط جوشیلے نوجوان کو آپؐ نے فرمایا "تم پر تمہارے جسم، تمہاری بیوی اور تمہارے مہمان کے بھی حقوق ہیں"

ایک دن ایک شخص نے صدقے کے بارے میں آپؐ سے دریافت کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا "ہاں ایک تہائی دیدو۔ اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ یہ بہتر ہے کہ تمہاری اولاد باسامان ہو اور دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور نہ ہو"

تجرّد اسلام تجرّد کی سخت مذمت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ طریق کے خلاف ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک عرب تجرّد کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھا۔ آپؐ نے ان الفاظ میں اُسے تنبیہہ کی:۔

"کیا تم نے شیطان کا بیٹا بننے کا فیصلہ کیا ہے؟! اور کیا تم عیسائی راہب بننا چاہتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو سیدھے اُن میں جا ملو۔ اور اگر تم ہمارے ساتھیوں میں سے ہو تو تمہیں ہماری سنّت پر چلنا چاہیئے۔ اور ہماری سنّت ازدواجی زندگی ہے"

شراب اور تفریحات تفریحات کے بارے میں اسلام نے مسلمانوں پر تھوڑی سی پابندیاں لگائی ہیں لیکن وہ سب کے لئے

مساوی ہیں اور نہایت حکیمانہ ہیں۔ مغربی دنیا میں ان دنوں شراب نوشی کے خلاف ایک مہم جاری ہے اور اہل مغرب کی کوشش ہے کہ بعض پابندیاں لگا کر قماربازی کو محدود کر دیا جائے۔ پس کیا کوئی شخص اسلام پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ کیوں اس نے خطرے کے ان دونوں دروازوں کو زور سے بند کر دیا جو روحانی اور اقتصادی تخریب کا باعث تھے۔ قرآن کفایت شعاری کو نیکی قرار دیتا ہے۔ لیکن اسی پر بس نہیں بلکہ قرآن قماربازی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور قرض دیکر سود حاصل کر کے مال جمع کرنے سے بھی روکتا ہے۔ کیا آپ قائل نہ ہوں گے کہ اس قسم کی ناجائز کمائی کو ممنوع قرار دینے سے حکمتِ الٰہی عیاں ہے؟

لوگ مذہب کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مذہب ایسا ہونا چاہیئے جو اُن کے طبعی تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اُن کے جذبات کا بھی خیال رکھے۔ اسلام اِن تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرتا ہے کیونکہ اسلام محض ایک عقیدے کا نام نہیں بلکہ ایک فلسفۂ زندگی ہے۔ اسلام فکرِ صحیح، عمل صالح اور صدق قول کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ میں بلا دقت راہ پالیتا ہے۔

باب پنجم

اسلامی حکومت اور تہذیب

اسلام ہماری انتہائی تعریف کا مستحق ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت کی آرزوؤں کو صرف نظری حد تک پورا کرنے پر اکتفا نہیں کرتا اور نہ محض بلند ترین قواعد کا ایک ضابطہ مقرر کرتا ہے جس پر انسان عمل پیرا ہو سکے۔ بلکہ اسلام اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور زندگی کا فلسفہ سکھاتا ہے اور علم الاخلاق کے اصولوں کو مثبت اور منظم اساس پر استوار کر دیتا ہے اور انسانی فرائض کو معیّن قاعدوں کے اندر ڈھال دیتا ہے۔ خواہ وہ فرائض انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہوں یا دوسرے لوگوں کے بارے میں ہوں۔ اور ان قواعد میں ارتقاء بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہ انسان کی انتہائی ذہنی ترقی کے ساتھ دوش بدوش چلتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اِن قواعد کی سند بھی پیش کرتا ہے۔ ایسے مذہب کا اثر تمام انسانوں کی زندگی پر عموماً اور بے علم اَن پڑھ آدمیوں کی زندگی پر خصوصاً مستقل اور شفابخش ہوتا ہے۔ کیونکہ مؤخرالذکر لوگوں کی نظر میں اخلاقی احکام کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ جب تک وہ معیّن قانونی رنگ میں بیان نہ کئے جائیں جن کے ساتھ ساتھ واضح سزائیں بھی مقرر ہوں۔

دینِ اسلام میں یہ صفات موجود ہیں۔ جب ایک دفعہ یہ بات تسلیم ہو گئی کہ انسانی فطرت کو لازماً اِس امر کی ضرورت ہے کہ وعظوں اور خشک اصولوں کی بجائے ایک حاکمانہ قانون اُس کی رہبری کرے تو اسلام نے ربّانی حکم فطرتِ انسانی کے سامنے رکھ دیا۔ اِس وجہ سے بھی اسلام کو بڑی کامیابی ہوئی۔ وہ عرب جہاں مکمل طوائف الملوکی چھائی ہوئی تھی۔ جہاں کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ معاشرے کے لئے ایک آزاد خودمختار حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں انسانی حاکمیت کو کسی شکل میں بھی برداشت نہ کیا جاتا تھا۔ جہاں ظلم کا دَور دَورہ تھا، جہاں قتل اور چوری قابلِ تعزیر جُرم نہ تھے۔ بلکہ اُن کا شمار ایسے افعال میں تھا جن کے بدلے میں مقتول یا نقصان یافتہ شخص کا قبیلہ یا خاندان انتقامی کارروائی کر سکتا تھا۔ ایسے ملک کے اندر اسلام نے ایک ایسی قوم پیدا کی جو مضبوط، متحد اور اخلاقی آئین پر قائم تھی۔ اِس کامیابی کی یہی وجہ تھی کہ اسلام مذہب

بھی تھا اور قانونِ زندگی بھی۔

شریعت یعنی اسلامی قانون مذہبی آداب تک ہی محدود نہیں بلکہ مجلسی اور نجی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اور انفرادی افعال اور مذہبی فرائض کے اندر ربط قائم کرتا ہے۔ شریعت کے اندر ہر قسم کے قانون موجود ہیں۔

اجماع

قرآن شریف میں قانونی انداز کی آیات بہت کم ہیں اور وہ بھی عام اصولی رنگ میں بیان کی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے واضعانِ قانون جو اخلاقی مفہوموں کو بھی مدِنظر رکھ سکیں ہر حالت میں قرآن کی طرف رجوع کرنے سے قاصر تھے۔ اور نہ ہی وہ سُنت کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔ کیونکہ گو سُنتِ نبوی میں کتاب اللہ کی کافی تشریح موجود ہے لیکن روزمرّہ زندگی میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں اُن پر حاوی ہونے کے لئے سُنت کافی نہ تھی۔ پس اسلامی دُنیا کے اندر اجماع کا اصول قائم ہوا۔

اجماع یعنی مسلمانوں کی متفقہ رائے، یا زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ اُن مسلمانوں کی رائے جو کسی عہد میں سب سے زیادہ مسلم الثبوت عالم ہوں۔ اس قسم کی آراء کو واجب التسلیم سمجھا جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر اکٹھی نہ ہوگی۔ پس جن امور کو یہ اجماع بالاتفاق درست اور جائز قرار دے ان کی صحت اور جواز قابلِ قبول ہوتے ہیں۔ اور جو قوانین اس قسم کے متفقہ فیصلے پر مبنی ہوں ان کو ماننا ضروری ہوتا ہے۔

اجماع اسلام کے تاریخی ارتقاء کا مرکز رہا ہے۔ اور اسلام کی آئندہ ترقی اور قوت بھی اجماع سے وابستہ ہے۔ غیر عرب قوموں کے جو قانون شریعت کے حکموں کے خلاف نہیں تھے اجماع کے ذریعے سے اسلامی قانون کا جزو بن گئے۔ اسلامی دُنیا کے قانونوں کے اندر قریب کے زمانے میں ایک قسم کی شدت پیدا ہو گئی ہے اور اجماع ہی وہ ذریعہ ہے جو اس شدت کو دُور کر دیگا۔ اور اسلامی دُنیا از سرِنو آزادانہ حرکت کریگی۔ اور عہدِ حاضر کی ضروریات سے عُہدہ برآ ہو جائے گی۔ دراصل اس قسم کے اُمید افزا نشانات اُفق پر اُبھر رہے ہیں۔

جو قانون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے موجود تھے اجماع کی بدولت ہی اسلامی قانون نے ان کو قبولیت، تدوین اور تکمیل کا شرف بخشا۔ چونکہ اُن قانونوں کی اہمیت زیرِ بحث نہیں ہے اسلئے یہاں اُن پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی ہم اُن اسلامی قوانین پر بحث کرنا چاہتے ہیں جن کی حکمت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ بلکہ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اُن معاشرتی دستوروں کے متعلق کیا مدافعت ہو سکتی ہے جن پر غیر مسلم خصوصیت سے حملے اور اعتراض کرتے ہیں۔

اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن شریف نے معیّن شکل میں ایسے قواعد کم بیان کئے ہیں جن پر قانون کا لفظ صادق آ سکے۔ اکثر باتوں میں قرآن شریف نے اپنے متبعین کو یہ اختیار دیا ہے کہ اُن کا وطن اور زمانے کے حالات جس دستورالعمل کا تقاضا کرتے ہوں وہ اُسی کی پیروی کریں۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا کیسا عجیب کرشمہ ہے! ہاں نکاح کے متعلق معیّن اصول مقرر کئے گئے ہیں۔ اور بعض خونی تعلقات کی وجہ سے بعض عورتوں سے نکاح کو ناجائز رکھا گیا ہے۔ غیر مسلم اس قانون پر تو کوئی اعتراض نہیں کرتے لیکن تعددِ ازدواج کے خلاف شدید نکتہ چینی اور پُر زور اعتراض اٹھائے جاتے ہیں حالانکہ قرآن نے ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت خاص حالات میں دی ہے۔ جن کا ذکر ہم بعد

یں کریں گے۔

تعدّدِ ازدواج

ہم شروع میں ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہوسکی کہ تعدّدِ ازدواج معاشرے کے لئے لازماً مضر ہے یا ترقی کے راستے میں روک ہے لیکن بہتر ہے کہ ہم اِس جہت سے یہ بحث نہ اُٹھائیں۔ ہم یہ دلیل بھی دے سکتے ہیں کہ سماجی ارتقاء کی بعض صورتوں میں تعدّدِ ازدواج ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً جب جنگ کے اندر مرد کثرت سے مارے جائیں اور خاص حالات پیدا ہوجائیں۔ بہرحال تعدّدِ ازدواج کے مسئلے کو زمانہ مابعد کے تصوّرات کے ماتحت نہیں جانچنا چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ صرف عربوں کے اندر بلکہ اس خطّے کی دوسری قوموں کے اندر بھی یہ اصول قانوناً مقبول اور مسلّم تھا۔

ہمارے زمانے کے معترض کو اسلامی قانون کے اندر تعدّدِ ازدواج کے معاملہ میں بظاہر کثیر رعائتیں نظر آتی ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے آنے سے پہلے تعدّدِ ازدواج پر کوئی قید نہ تھی۔ اور اسلامی قانون نے بہت سی پابندیاں لگاکر مسلمانوں کیلئے ایک سے زیادہ نکاح کو جائز رکھا۔ اسلام نے اُن مشروط اور عارضی نکاحوں کو ناجائز قرار دیا جو در اصل حرامکاری کو جائز بنانے کے لئے مختلف بہانے تھے۔ مزید براں اسلام نے عورتوں کو ایسے حقوق عطا کئے جو انہیں پہلے کبھی حاصل نہ تھے۔ اگر اِس مسئلے کے ایک اور پہلو کو بیان کرنا ضروری نہ ہوتا تو مذکورہ بالا امور کی تائید میں ہم کثیر شواہد پیش کرسکتے تھے۔

قرآن نے اجازت دی ہے کہ ایک مرد، ایک، دو، تین، چار تک بیویاں نکاح میں لاسکتا ہے لیکن ساتھ ہی اس قسم کی شادیوں پر واضح پابندیاں لگادی ہیں جن پر عمل کرنا لازمی ہے۔ یعنی شوہر کو تاکید کی گئی ہے کہ ہر ایک بیوی کے ساتھ پورا پورا عدل کرے۔ اور عدل سے یہ مراد ہے کہ مادی آسائشوں کے علاوہ محبّت کا سلوک بھی مساویانہ ہو۔ قرآن فرماتا ہے:۔

مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

دو دو۔ تین تین اور چار چار۔ پھر اگر
ڈرو تم کہ نہ عدل کروگے تو ایک ہی (کرو)"

(سورۃ نساء آیت ۴)

جس سورۃ میں مذکورہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے اُسی سورۃ کی دوسری آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی طبیعتوں میں اِس قسم کی مساوات کا جذبہ شاذ ہی کہیں پایا جاتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ۔

اور ہرگز نہیں طاقت رکھتے تم کہ عدل
کرو درمیان بیویوں کے اور اگرچہ
بہت خواہش کرو تم" (نساء - ۱۳۰)[1]

مندرجہ بالا استدلال سے نتیجہ نکلتا ہے کہ گو تعدّدِ ازدواج ممکن ہے لیکن چونکہ اس کی لازمی شرطوں کو پورا کرنا نہایت مشکل ہے اسلئے عملاً اسے محال بنادیا گیا ہے

---

[1] اس آیت کا اگلا حصّہ یہ ہے :۔

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ۔ "پس ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی بیوی
کی طرف پورے طور پر جُھک جاؤ اور دوسری کو
معلقہ کی طرح کردو"

اِس نتیجہ سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید قلبی محبّت کی مساوات کو اختیار سے باہر قرار دینے کے باوجود بلحاظ سلوکِ محبّت مساوات قائم کرنیوالے مرد کو تعدّدِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے۔ (ابو العطاء)

الزہراوی اور امیر علی کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کا عام قانون تعدد ازدواج کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں تعدد ازدواج کے جواز کے لئے

اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے جائز رکھا ہی اور بس۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات کو شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کی استثنائی ذمہ واریوں کے لحاظ سے آپ کے حالات بالکل جداگانہ تھے۔ اگر ہم عدل کی شرطوں کے پورا کرنے کو مدنظر رکھیں اور نیز اُن مشکلوں اور دشواریوں پر غور کریں جو حضور کو پیش آئیں تو ظاہر ہے کہ حضور کے حالات اور عام لوگوں کے حالات میں بے شمار فرق پایا جاتا ہے۔

اسلام کے دشمنوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ گویا (نعوذ باللہ) آپ ایک عیش پرست اور نفس پرور انسان تھے۔ انہوں نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ آپ کی شادیوں سے یہ ثابت کریں کہ آپ کا چلن کمزور اور آپ کے منصب کے منافی تھا۔ یہ لوگ اس بات پر ذرا غور نہیں کرتے کہ زندگی کے اُس دور میں جب قدرتاً شہوانی قوتیں پورے جوش پر ہوتی ہیں، آپ نے صرف ایک عورت سے حضرت خدیجہؓ نامی سے شادی کی جو عمر میں آپ سے بہت بڑی تھیں۔ اور مسلسل پچیس سال تک آپ نے اُن کے ساتھ محبت اور وفا کے عہد کو نباہا۔ حالانکہ آپ عرب قوم کے ایک ایسے معاشرے میں رہتے تھے جہاں نکاح کے قاعدے تقریباً ناپید تھے، جہاں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا جہاں طلاق دینا بہت آسان تھا۔ (حضرت) خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر پچاس سال کی ہو چکی تھی آپ نے دوسری شادی کی۔ پھر اور شادیاں بھی کیں۔ ان میں سے ہر شادی کے اندر کوئی نہ کوئی سیاسی یا سماجی مصلحت مدنظر تھی۔ کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کے نکاح میں آکر پاکباز عورتوں کا اکرام ہو۔ یا یہ غرض تھی کہ مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے ساتھ شادی کے تعلقات قائم ہو کر اشاعتِ اسلام کے راستے کھل جائیں۔ (حضرت) عائشہؓ کے سوا آپ نے جن عورتوں سے شادی کی اُن میں سے کوئی بھی کنواری یا نوجوان یا خوش شکل نہ تھی۔ کیا یہ ہوس پرستی تھی؟

آپ انسان تھے نہ کہ خدا۔ اور بیٹے کی خواہش بھی دوسری شادیوں کی وجہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ (حضرت) خدیجہؓ سے جو بیٹے ہوئے افسوس ہے کہ وہ زندہ نہ رہے۔ ذرائع آمد کی کمی کے باوجود آپ نے ایک کثیر کنبے کی پرورش کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ اور کئی بیویوں کے ہوتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ پورا عدل کیا اور کسی سے بھی قطع تعلق نہیں کیا۔ آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے پرانے بزرگوں کے طریق پر عمل کیا لیکن اُن بزرگوں کے تعددِ ازدواج پر کوئی شخص اعتراض نہیں کرتا۔ کیا اس کی یہ وجہ ہے کہ اُن لوگوں کی روزمرہ زندگی کے حالات سے ہم ناآشنا ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلی زندگی کے تمام حالات ہمیں معلوم ہیں۔ افسوس ہے کہ پہلے لوگوں نے آیتِ قرآنی کے دوسرے[1] حصے کی طرف توجہ نہ کی جو مردوں کو صرف ایک شادی کی تاکید کرتا ہے بلکہ لوگوں نے آیت کے پہلے[2] حصے کی طرف توجہ کی جس میں تعددِ ازدواج کو جائز رکھا گیا ہے۔ اور اس رعایت سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اور حکم خداوندی کے اصل منشاء کو نہ سمجھا گیا۔ حالانکہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ ان دنوں اسلامی دنیا کے اندر خصوصاً اُن ملکوں میں جہاں تہذیب کا نیا نیا

---

[1] فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔
[2] مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (مترجم)

عروج ہے اور نئے اخلاقی اثرات پھیل رہے ہیں کئی اسباب کے ماتحت کثیر الازدواجی بہت محدود ہو گئی ہے۔

طلاق قرآن طلاق کو جائز قرار دیتا ہے چونکہ مغربی معاشرے نے طلاق کے مسئلے کو قبول کر لیا ہے اور اسے زندگی کا لازمی اور ضروری حصہ سمجھا ہے۔ اور تقریباً ہر جگہ قانون نے اسے جائز رکھا ہے اس لئے ضروری نہیں کہ ہم طلاق کے جائز ہونے کے متعلق اسلام کی طرف سے کوئی مدافعت کریں لیکن اسلام سے پہلے عرب قوم میں جو عادتیں پائی جاتی تھیں اگر ہم اسلامی قانون سے اُن کا مقابلہ کریں تو ہمیں یہ ثابت کرنے کا موقع ملے گا کہ طلاق کے متعلق بھی اسلامی قانون نے معاشرے کے اندر ایک اصلاح کو نافذ کیا۔ اسلئے ہم اس مسئلے کو زیرِ نظر لاتے ہیں۔

عہدِ نبویؐ سے پہلے عربوں کے دستور کے مطابق طلاق دینا بہت آسان تھا۔ مرد کے لئے کافی تھا کہ کوئی لفظ بول دے یا کوئی اشارہ کردے یا عورت کو اسکے میکے میں واپس بھیجدے۔ عورت کے لئے یہ کافی تھا کہ خیمے کے پردے کو اُلٹ دے۔ جو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ عورت نے نکاح کو توڑ دیا ہے۔ (اگرچہ یہ دستور عام نہ تھا لیکن اسلامی سوسائٹی سے پہلے اس کی مثالوں کی کمی نہیں۔) پھر قانونِ الٰہی نے بعض قاعدے مقرر کردیئے جن کی رُو سے طلاق کو منسوخ کردینا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے علیحدگی کا اظہار کرنے کے بعد شوہر ایک مقررہ مدت کے اندر کوئی رسم ادا کرنے کے بغیر اپنی عورت کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ مذکورہ مدت کے اندر عورت شوہر سے بے تعلق رہتی ہے اور نکاح نہیں کرسکتی۔ اس علیحدگی کی مدت کے گزرنے پر (سوا اسکے کہ طلاق خاص حالات کے ماتحت دی گئی ہو) قطعی علیحدگی ہو جاتی ہے۔

خُلع عورت کو خود بخود طلاق حاصل کرنے کا حق نہیں ہے ہاں اگر معقول وجوہات موجود ہوں تو وہ قاضی کو درخواست دیکر نکاح کو منسوخ کرا سکتی ہے۔ عورت پر یہ پابندی اس لئے لگائی گئی ہے کہ طلاق کو محدود کردیا جائے۔ کیونکہ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ مرد جلد بازی سے فیصلہ کرنے میں عورت کی نسبت دھیما ہوتا ہے۔ قاضی کی مداخلت اس غرض سے ہے کہ نکاح کے منسوخ ہونے کی صورت میں عورت کے تمام واجبات اور مالی حقوق محفوظ ہو جائیں۔

اس قاعدہ کے علاوہ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب مرد و عورت میں ناچاقی پیدا ہو تو فریقین کی طرف سے ثالث بیچ میں پڑ کر صلح کرائے۔ یہ دونوں قاعدے گواہ ہیں کہ اسلام میں طلاق کو ایک قابلِ ملامت فعل شمار کیا جاتا ہے۔ آیاتِ ذیل میں یہی وضاحت کی گئی ہے:-

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اُن لوگوں کے لئے جو ایلا کرتے ہیں اپنی بیویوں کے بارے میں انتظار کرنا ہے چار مہینے۔ پھر اگر رجوع کرلیں وہ تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر ارادہ کرلیں طلاق کا تو یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (بقرہ آیت ۲۲۷-۲۲۸)

کئی حدیثوں میں یہی مضمون پایا جاتا ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ خدا نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو اُسے

انسان کے نجات پانے سے زیادہ محبوب ہو اور خدا تعالیٰ کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ قابلِ نفرت چیز طلاق ہے۔

پردہ ناشائستہ ترغیبات اور اُن کے بد نتائج سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان عورت پردہ کرے اور اپنے تمام جسم کو ڈھانپے سوائے اُن حصّوں کے جن کا کھلے رہنا لازمی ہو۔ مثلاً آنکھیں یا پَیر۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ عورت کی عظمت کو کم کیا جائے یا اس کی مرضی کو دبا دیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ عورت کی حفاظت کی جائے۔ تاکہ مرد اس کی طرف راغب نہ ہو سکیں۔

کئی صدیوں تک عورتیں پردے میں رہیں۔ اور اس دستور نے اخلاقی زندگی پر اثر ڈالا اور مشرقی ممالک میں تاجرانہ پیمانے پر عصمت فروشی قطعاً ناپید رہی۔ سوائے اُن مقامات کے جہاں غیر ملکی لوگوں کا اثر پڑا۔ کوئی شخص بھی اِن فوائد کی اہمیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت کا پردے میں رہنا اور پبلک کاموں میں حصّہ نہ لینا اگر ایک لحاظ سے گھاٹے کا موجب ہوُا تو دوسرے اعتبار سے اسلامی معاشرے کو بے شمار فائدے پہنچانے کا ذریعہ بنا۔

عورت کی آزادی کے لئے تعلیم شرطِ مقدم ہے پس جن ملکوں میں سارے مرد تعلیم یافتہ نہیں ہیں، وہاں عورت کا پبلک کاموں سے علیحدہ رہنا معقول وجوہات پر مبنی ہے خواہ اُن ملکوں میں نئے خیالات اور مغربی اثرات بھی پھیل گئے ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ مشرقی ملکوں کے موجودہ حالات بے لوچ شکل میں قائم رہیں گے۔ یہ خیال کرنا اسلام کے منشاء کے خلاف ہے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ جو دستور العمل مختلف انسانوں اور قوموں کے حالات کے مطابق ہو حسب ضرورت

اُسے اختیار کیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی! تو کہدے اپنی بیویوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی بیویوں کو کہ وہ لٹکائیں اپنے اُوپر چادریں اپنی یہ بات بہت قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں تا نہ دُکھ دی جائیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

(سورۃ احزاب آیت ۶۰)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔

اور تو کہہ دے مومن عورتوں کو کہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ وہ ظاہر کریں زینت اپنی (خواہ قدرتی ہو یا مصنوعی) مگر جو طبعی طور پر ظاہر ہو اس سے۔ اور چاہیئے کہ اپنی اوڑھنیاں ڈالیں اپنے گریبانوں پر۔" (نور آیت ۳۱)

اِس قرآنی عبارت کا وہ مفہوم لینا چاہیئے جو پیغمبرِ اسلام کی اعتدال پسند عادات میں پایا جاتا ہے۔ آپ نے

اپنے کُنبے کی عورتوں کو ضروری سہولتوں سے محروم نہ کیا تھا۔ اگر اس مفہوم کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس بات کا کیا جواب ہے کہ عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد اُس زمانے کے سیاسی اور جنگی واقعات میں حصہ لیا۔ مثلاً حضرت عائشہ رض کا جنگِ جمل میں حضرت علی رض کے خلاف لڑائی کرنا اور سپاہ کو حوصلہ دینا۔ اور خود کو شدید خطرے میں ڈالنا۔ حضرت عثمان رض کے خلیفہ چُنے جانے کے موقع پر فاطمہ بنت قیس الفہریہ کی کارپردازی یا اسی قسم کے بہت سے اور واقعات جو ابتدائے اسلام میں رُونما ہوئے۔

اور گو سماجی اعتبار سے یورپ میں عورت کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ لیکن اگر ہم چند سال پیچھے جائیں اور یورپ کی عورت کی خود مختاری کا موازنہ ذرا اسلام کی عورت کی خود مختاری سے کریں تو معلوم ہوگا کہ یورپ میں عورت کی حیثیت کم از کم قانونی لحاظ سے بہت ادنیٰ رہی ہے۔ اور بعض ملکوں میں اب تک یہی صورت باقی ہے۔ ایک مسلمان عورت کو حق ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ورثہ میں شریک ہو۔ (گو نسبتاً اس کا حصہ کم ہے۔) اور اس کی آزاد مرضی کے بغیر اسکی شادی نہ کی جائے۔ اور شوہر اس سے بدسلوکی نہ کرے۔ علاوہ بریں اُسے یہ بھی حق ہے کہ شوہر سے اپنا مہر وصول کرے۔ اور نان و نفقہ بھی لے۔ خواہ وہ عورت پیدائشی مالدار ہو۔ اور اگر وہ عورت قانونی لحاظ سے اس قابل ہو تو اُسے یہ بھی حق ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی ذاتی جائداد کا انتظام کرے۔

غلامی

ہمارے نزدیک غلامی کا رواج اُسی وقت سے موجود ہے جب سے انسانی معاشرے نے جنم لیا۔ اور تمام زمانوں اور قوموں میں یہ رواج جاری رہا اور اب تک بھی باقی ہے۔ قانونِ الٰہی نے بھی اسے بکلی منسوخ نہ کیا۔ اور اس بات کو غیر مسلموں نے ایک سنگین الزام کی شکل دیدی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان خانہ بدوش ہوں یا متمدن اُن کے اندر غلاموں کی حالت دوسرے لوگوں کے غلاموں سے بدرجہا بہتر پائی جاتی ہے لیکن اہلِ یورپ اس بات کو ماننے سے ہچکچاتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے اہلِ یورپ جو مشرقی ملکوں میں گئے ہیں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہ ناانصافی ہوگی کہ مشرقی ملکوں میں غلامی کا مقابلہ امریکہ میں آج سے ایک سو سال پہلے کی غلامی سے کیا جائے۔ حدیث نبوی کے اندر کس قدر انسانی ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "یہ مت کہو کہ وہ میرا غلام ہے بلکہ یہ کہو کہ وہ میرا لڑکا ہے۔ اور یہ نہ کہو کہ وہ میری لونڈی ہے بلکہ یہ کہو کہ وہ میری لڑکی ہے۔"

اگر تاریخی لحاظ سے ان واقعات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں بھی عظیم الشان اصلاحیں کی ہیں۔ اسلام سے پہلے قرضہ ادا نہ ہونے کی صورت میں بھی ایک آزاد آدمی کی آزادی کے چھن جانے کا امکان تھا لیکن اسلام کے آنے کے بعد کوئی مسلمان کسی دوسرے آزاد مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو محدود ہی نہیں کیا بلکہ آپ نے اس بارے میں اوامر و نواہی جاری کئے اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ قدم بڑھاتے رہیں حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب رفتہ رفتہ تمام غلام آزاد ہو جائیں۔ عرب قوم میں ہی نہیں بلکہ دوسری تمام قوموں کی عادت میں بھی یہ بات جڑ پکڑ چکی ہے کہ جو لوگ مفتوح یا تقریباً مفتوح ہو چکے ہوں ان کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ اگر یہ اور کسی

نہ ہوتی تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں کا اثر اپنا رنگ دکھاتا۔ اور تمام غلام آزاد ہو چکے ہوتے۔ غلاموں کی آزادی کے راستے میں لوگوں کے خود سرانہ جذبات بھی روک بنے۔ کیونکہ لوگوں نے کلام الٰہی کیطرف یہ غلط بات منسوب کی کہ وہ غلامی کو زندہ رکھنے کے حق میں ہے۔

قرآن مجید میں بار بار ذکر ہے کہ گناہوں کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔ (۴ : ۹۳)۔ (۵ : ۹)۔ (۲۴ : ۳۴)۔ (۵۸ : ۴)۔ (۹۰ - ۱۴) اور حدیثوں میں تاکید کی گئی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا خدا تعالےٰ کی نظر میں نہایت پسندیدہ فعل ہے "جو شخص کسی مومن غلام کو آزاد کرتا ہے۔ قیامت کے دن دوزخ سے بچایا جائے گا"

قرآن اور حدیث کی ہدایتوں کی روشنی میں اسلامی فقیہوں نے ایسے قاعدے بنائے جو غلاموں کو آزاد کرنے کو لازمی قرار دیتے تھے۔ یا اس بارے میں سخت تاکید کرتے تھے۔ اس کے ثبوت میں ہم ان میں سے صرف دو قاعدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً یہ قاعدہ کہ اگر آقا غلام کو آزادی دیکر مالی نقصان کا متحمل نہ ہو سکے تو اسلامی قانون کی رُو سے غلام کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ محنت مشقت کر کے آزادی حاصل کرلے یعنی اپنے آقا سے ایک قبالہ حاصل کرلے۔ جس میں یہ شرط درج ہو کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ جلد سے جلد ایک مقررہ معاوضہ اپنے آقا کو ادا کر دے گا۔ یا وہ اپنے آقا سے درخواست کر سکتا تھا کہ اُسے محنت کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اتنی رقم کما سکے جو آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو۔ (اور بلا شک اس قسم کی رعایت دے دینا بہت قابلِ تعریف ہے) قرآن فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ۔

"اور تمہارے غلاموں میں سے وہ جو چاہتے ہیں مکاتبت[1] تو اُن سے مکاتبت کرو" (نور۔ ۳۴)

ایک اور نکتہ ہے۔ یعنی یہ کہ اسلامی سلطنت نے اس بات کا ذمہ بھی لیا کہ زکوٰۃ سے حاصل شدہ اموال سے اُن غلاموں کو آزاد کرانے میں مدد دی جائے جو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے مالی مدد کے محتاج ہوں۔

اسلام نے کبھی اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ غلاموں کی تذلیل کی جائے۔ کیونکہ اسلام گورے کالے خانہ بدوش اور متمدن، راعی اور رعایا کے درمیان مساوات قائم کرتا ہے۔ اور یہ مساوات محض نظری نہیں۔ بلکہ عملی رنگ میں پائی جاتی ہے۔ اور خیمہ ہو یا محل، مسجد ہو یا بازار ہر جگہ لوگ آپس میں بے تکلفانہ میل ملاقات کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف کسی تکبر یا تحقیر کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اسلامی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے اس موقع پر ہمیں جبلہ نامی ایک بادشاہ کا دلچسپ قصہ یاد آتا ہے۔ جبلہ مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد بڑی شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔ جبکہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو اتفاقاً ایک بدوی کا پاؤں اس کی قبا پر جا پڑا۔ جبلہ نے اُسے تھپڑ مار دیا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ بدوی بھی اُسی طرح جبلہ کو تھپڑ مارے کیونکہ اسلام میں سارے آدمی برابر ہیں۔ جبلہ نے اس کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اُسی رات اپنے پانچ سو سرداروں کو لے کر نکل گیا۔ اور بزنطین پہنچ کر عیسائی ہو گیا۔ بہت

[1] مکاتبت یعنی مال معین کر کے غلام کو آزاد کر دینے کا معاہدہ۔ (مترجم)

عرصہ بعد صاحب دولت و عظمت ہونے کے باوجود اسلام کو یاد کر کے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

(حضرت) بلالؓ کو خوش آوازی کی وجہ سے اولین اسلامی مؤذن ہونے کا اعزاز ملا۔ اور تاریخ میں کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ غلاموں کو اعلیٰ اور معزز درجے دیئے گئے اور آزاد شدہ غلام سرکاری عہدوں پر فائز ہو گئے۔ حتیٰ کہ منصبِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

دوسرا مضمون شروع کرنے سے پہلے یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی قطعی ممانعت فرما دی تھی کہ غلام کا کوئی عضو کاٹا جائے۔ اور خواجہ سراؤں کے ذریعے سے محلات کی پاسبانی کا رواج اموی خلفاء کے زمانے میں شروع ہوا۔

اسلامی سزائیں ہم جانتے ہیں کہ سزاؤں کے متعلق الٰہی قانون نے کوئی نیا نظام قائم نہیں کیا۔ وجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ممکن نہ تھا کہ اس بارے میں اہم تبدیلیاں کی جائیں۔ علاوہ ازیں اسلام کا منشاء ہے کہ لوگوں کو اس بات کی آزادی دی جائے کہ وہ اپنے زمانے اور طبعی تقاضوں کے مطابق قوانین نافذ کریں۔ تاہم اسلام نے پُرانے قانون میں کچھ اصلاح کی۔ خاص کر قصاص کے نہایت خطرناک نتائج سے قانون کو پاک کر دیا۔ اسلام نے یہ اصول قائم کیا کہ مجرم کو سزا ضرور ملنی چاہیئے لیکن تہذیب اور ترقی پذیر قوانین کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ چند امور ہی ایسے ہیں جن میں اسلام نے معین قاعدے مقرر یا تجویز کئے ہیں۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ مختلف ملکوں کے قوانین کے اندر جو سزائیں اسلام سے پہلے پائی جاتی تھیں۔ مثلاً قصاص، قطعِ اعضاء، سزائے موت، آپؐ نے از سرِ نو اُن کی تصدیق فرما دی۔

قرآن فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ (بقرۃ - ۱۸۰)

یقین کیا جاتا ہے کہ اگر مجرم پر یہ خوف غالب ہو کہ سزا جُرم کے مطابق سخت ہوگی تو اس کا ہاتھ جُرم سے رُکے گا۔ اگر آپ انسدادِ جرائم کے نقطۂ نظر سے اُن سخت سزاؤں پر غور کریں گے جو قتل، زخم رسانی، زنا، تہمت، شراب نوشی، چوری، لُوٹ کے لئے مقرر کی گئی ہیں تو آپ کو اُن میں حکمت نظر آئے گی۔ یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن بار بار نصیحت کرتا ہے کہ معاف کر دینا خدا کی نظر میں بہت پسندیدہ اور اعلیٰ نیکی ہے۔ نیز یہ کہ دیت اور قرضوں کے طلب کرنے میں نرمی اختیار کرنا چاہیئے۔ اِن سزاؤں کو اِس پہلو سے بھی دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر ممکن حد تک خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے بدلے میں گنہگار کو سزا دینے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ انسانوں کے ساتھ خدا کا تعلق رحم اور مہربانی پر مبنی ہے۔ آخر الامر اِن سزاؤں کو اِس لحاظ سے بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُنکے ساتھ بہت سی شرطیں لگی ہوئی ہیں جن کا ثابت کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی مقرر کردہ تمام سزاؤں کا پُورا اطلاق بہت کم موقعوں پر ہو سکتا ہے۔

باب ششم

اسلام میں تصوّف کا مفہوم

جُوں جُوں وقت گزرتا گیا دوسرے مذاہب کی طرح مسلمانوں میں بھی تصوّف اور گیان دھیان کا رجحان پیدا ہو گیا۔ یہ رُجحان یا تو باطنی ارتقاء کا قدرتی نتیجہ تھا یا بیرونی اثرات کا۔ ابتدا سے اسلام میں روزمرہ

زندگی کے فرائض کو مذہبی تفکر سے الگ رکھا گیا تھا۔ اور صوفیانہ خیالات ترقی نہ پا سکتے تھے۔ ہر سچے پرستار کی خواہش ہوتی ہے کہ بلا واسطہ اپنے خالق کا قرب حاصل کرے۔ پس خدا تعالےٰ کے متعلق وجدانی علم حاصل کرنا مذہب کا ضروری جزو ہے۔

تصوّف کے فائدے

مومن کی اِس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اسلامی باطنیّت پیدا ہوئی جسے اصطلاح میں تصوّف کہتے ہیں۔ یہ وہ جذبہ ہے جو قُربِ الٰہی کا طالب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیشتر حاصل تھا۔ جبکہ آپؐ مسلمانوں سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور آپؐ کا انتہائی رحم بھی اسی کا مظہر تھا۔ اشراقیت یعنی افلاطون کے اصلاح شدہ نظریے جو وسیع طور پر پھیل چکے تھے تصوّف کی ترقی میں ممد ہوئے۔ لیکن ہمیں اِس بات کو معیّن طریق پر بیان کرنا چاہیئے۔ یہ خیال کہ قرآنی آیات کے اندر ظاہری معنوں کے علاوہ گہرے رموز و اسرار ہیں اِس بات سے نہیں پیدا ہُوا تھا کہ لوگ اصل عبادت یا مسائل کی سخت گیری سے بچنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ خیال اِس عقیدے پر مبنی تھا کہ عام لوگ کتاب اللہ کا جو مفہوم سمجھتے ہیں منشائے الٰہی اُس سے بہت زیادہ ہے اور کسی صورت میں اُس سے کم نہیں۔

جن قدیم روایات میں انسان کے باطنی نُور کا ذکر ہے وہ اِس بات کی تائید نہیں کرتیں کہ رسول خدا یا آپؐ کے رُوحانی وارثوں نے کسی وقت لوگوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ دُنیوی ذمّہ داریوں کو چھوڑ کر دینی کاموں میں لگ جاؤ۔ تاکہ عبادتوں کا باطنی ثمرہ مل جائے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رہبانیت قابلِ ملامت ہے۔ خواہ یہ کسی شکل میں ظاہر ہو۔ اس کے باوجود رُوحانی کمالات کو حاصل کرنے کی تمنا میں بہت سے مسلمان اِس بات کو بھول گئے کہ انسانی زندگی ایک مسلسل کشمکش کا نام ہے۔ جن لوگوں کو اِس اصول سے اختلاف تھا اُنھوں نے ابتدائی زمانے میں ہی دُنیا سے کنارہ کش ہو کر اِس قسم کی زندگی اختیار کی جو کلیۃً عبادتِ الٰہی کے لئے وقف ہو۔ یا تو یہ اِس بات کا ردِ عمل تھا کہ بنو امیہ کے زمانے میں اباحت اور بے دینی زوروں پر تھی۔ یا یہ وجہ تھی کہ بعض ایسے سیاسی واقعات پیدا ہوئے جن سے اُن کے پاکیزہ جذبات کو ٹھیس لگی اور اُن کے دل دُنیا سے بیزار ہو گئے۔

ریاضت کشی اور رضا بالقضاء میں صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔ اور رضا بالقضاء کا قدرتی نتیجہ تصوّف ہے۔ قُربِ الٰہی کا پُرانا تصوّر۔ یہ جذبہ کہ دُنیوی زندگی کے جھمیلے خدا تک پہنچنے کے راستے میں روک ہیں۔ اِن دونو باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام کی طرف بھی یہ تعلیم منسوب کی گئی کہ نفیِ ذات کر کے گیان دھیان میں محو ہو جانا چاہیئے۔ اور انسان کو چاہیئے کہ اپنی معرفت حاصل کرے اور مادی اشیاء سے بے تعلق ہو جائے اور خدا تعالےٰ کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرے۔ اور ظاہری زندگی سے منقطع ہو جائے اور خدا میں فنا ہو کر اُس سے واصل ہو جائے۔ کیونکہ اُسی کی ذات ہے جو اصل حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت بلند مقصد تھا۔ جس کی طرف رُوحانیت کو تلاش کرنے والے دل بے اختیار کھنچے چلے آئے۔ اِس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ کیونکہ اُن کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ لمبے مجاہدوں اور ریاضتوں سے رُوح کو خدا تعالےٰ کا وصال حاصل ہو سکتا ہے۔ اِس کا دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ رُوحانی وقار کے احساسات نے ترقی پائی اور ہر امر میں کورانہ اطاعت کی بجائے ریاضت کشی اور خود آموزی کو فروغ ہُوا اور رُوح مادی معیاروں کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے محفوظ رہی۔

الفرقان - اسلام پر ایک نظر ۴۵ ستمبر/اکتوبر ۱۹۵۷ء

تصوف کے نقصان

مگر افسوس کہ جب تصوف اور اخلاقی تربیت کا رشتہ ٹوٹ گیا تو بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں تصوف نے وہ رنگ جمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کے بالکل خلاف تھا اسی کے نتیجے میں مشرکانہ خیالات، انوکھے ضابطے اور گندے اخلاقی تصورات پیدا ہونے لگے۔ اور اسلام کو ایک شدید خطرہ پیش آگیا۔ اسکے علاوہ ایک اور خطرہ تھا۔ جو ہمارے نزدیک شاید تصوف کی مذکورہ بالا ذلت آمیز شکلوں سے بھی بڑا تھا۔ یعنی فقیہوں کا تحکم جنہوں نے دقیق مسئلوں اور فضول بحثوں میں اُلجھ کر مذہب کو بانجھ بنا دیا کیونکہ عام لوگ اُن مسئلوں کو سمجھ نہ سکتے تھے سوائے اُس حصے کے جو عملی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہو۔ مقامِ افسوس ہے کہ ہر مذہبی نظام اس خرابی کا شکار ہوا ہے کہ مروجہ عقائد کے خلاف جو عقیدہ ہو اُسے ہموار کر کے دبانے کی کوشش کی جائے۔ فقیہوں کے تحکم کا انجام یہ ہوا کہ مذہب ایک بے لوچ اور جامد شکل میں ڈھل کر رہ گیا۔ جو رُوحانی پیاس کو تسکین نہ دے سکتا تھا۔ زیادہ افسوس اِس بات کا ہے کہ اکثر فقیہوں نے دینی مسائل پر غور کرنے کی بجائے اپنے اوقات کو اِس مطالعہ کے لئے وقف کر دیا کہ الٰہی قانون کن کن موقعوں پر عائد ہوتا ہے اور کہاں نہیں۔ اِس قسم کے مطالعہ کو باقی تمام باتوں سے زیادہ اہمیت دی اور وسعتِ خیال اور اصولِ حقہ سے آنکھیں پھیر کر باریک اور نرالے اجتہاد کی منحوس بحثوں میں غرق ہو گئے۔

امام غزالیؒ اور تصوف

اسلام کی زندگی کے اس مشکل دور میں ایک جید عالم، ایک عظیم الشان مصلح امام غزالیؒ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اِس مذہب کو تنزل اور بدعت کی مصیبتوں سے نجات دلائی۔ اور اس میں ایک نئی رُوح اور تازہ قوت پھونک دی۔ آپ نے لوگوں کو ایک ایسے تصوف کی طرف بلایا جو حقیقی صداقتوں کو محفوظ رکھتا تھا۔ اور اُسوۂ صحابہؓ کو مدِ نظر رکھ کر آپ نے اسلام کو ایک نیا حُلّہ پہنایا اور اس کی پہلی زندگی کو بحال کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ صُوفیاء کے نزدیک مذہبی زندگی کا جو مفہوم ہے اس کی تکمیل اسلامی احکام کے مطابق ہونی چاہیئے اور علمِ شریعت ہی وہ دروازہ ہے جس سے ہم اس زندگی میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور چاہیئے کہ صوفیانہ مدارج اور عرفانِ الٰہی کا پہلا زینہ شریعتِ حقہ کو قرار دیا جائے۔ غزالیؒ کے خیالات اجماع کے ذریعے سے مقبول ہو گئے اور کونے کا پتھر بن گئے۔ جس پر اسلامی خیالات اور مذہبی مقاصد کی آخری عمارت قائم ہوئی اور اُس تنزل سے نجات ملی جو غالی صُوفیوں کی بے قیدی اور دھاندلی کا نتیجہ تھا۔ مذہب کا اُفق وسیع ہو گیا اور خیالات اور جذبات میں پھر سے پاکیزگی اور یکرنگی پیدا ہو گئی۔ اور ثابت ہوا کہ مذہب ایک رُوحانی مشاہدہ ہے جو قوائے باطنی سے نکلتا ہے اور محبتِ الٰہی کے گرد گھومتا ہے۔ اِس طریق پر مسلمانوں کی زندگی پر ایک گہرا اور نیک اثر پڑا۔

صُوفیاء کے سلسلے

جو لوگ فلسفۂ تصوف کے زیادہ شائق تھے۔ وہ مختلف سلسلوں سے وابستہ ہو گئے اور خانقاہوں میں رہنے لگے۔ اور اسلامی دُنیا کے بہت سے حصوں میں زاویئے، خانقاہیں اور رباطیں قائم ہو گئیں۔ جہاں بھی کوئی درویش، ولی، مُرشد یا پیر (یا مختلف مُلکوں کے لحاظ سے اُس کا جو بھی لقب ہو) مقیم ہوتا اور اپنی آواز بلند کرتا اور اپنے کشوف کا ذکر کرتا، سینکڑوں ارادتمند اُس کے گرد جمع ہو جاتے اور ایک سلسلے کی بنیاد پڑ جاتی اور تصوف

کی تعلیم جاری ہوجاتی۔

جھوٹے ولی لیکن ظاہر ہے کہ گنتی کے چند آدمی ہی سچے ولی ہوسکتے ہیں اور مخلص اور دیانتدار اشخاص کے پہلو بہ پہلو بہت سے جھوٹے ولی اور شعبدہ باز بھی ہوتے ہیں جو لوگوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسے بہت سے جاہلوں اور احمقوں کو دھوکا دیتے ہیں جن کے دماغ صوفیانہ ریاضتوں کی وجہ سے اوندھے ہوچکے ہوتے ہیں۔ سچے ولیوں کی تعلیم تو مفید ہوتی ہے لیکن جھوٹے ولیوں کا اثر رونے کا مقام ہے۔ مگر جھوٹے سچے کی تمیز کیونکر کی جائے؟

توکل کا غلط مفہوم صوفیانہ توکل بھی سماجی زندگی کے لئے ایک خطرہ تھا کیونکہ غالباً توکل کا نتیجہ یہ تھا کہ بیکار رہ کر خدا کی رزاقی پر بھروسہ کیا جائے۔ اس قسم کے تصوف نے ناہدوں کے اندر یہ بے ہمتی پیدا کردی کہ وہ اپنی روزانہ ضرورتوں کا خود کوئی بندوبست نہ کریں۔ لہذا کوئی شک نہیں ہے کہ مسلم اقوام کے حالیہ ادبار کی جزوی ذمہ داری تصوف کی گردن پر ہے۔

صوفیائے نے فائدے بھی پہنچائے لیکن ساتھ ہی ہم اس بات کا انکار بھی نہیں کرسکتے کہ صوفیاء کے سلسلوں نے بہت سے فائدے بھی پہنچائے اور مذہبی زندگی کے ان سرچشموں نے تمام اسلامی ملکوں میں دور دور تک اسلامی روح کو زندہ رکھا۔ گویا صوفیاء کے سلسلے بہت سے نخلستان تھے جو ایک وسیع صحراء کے اندر جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔

بدعات اور تصوف پر اعتراضات لیکن غیر مسلموں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ تصوف کے ظاہری قاعدوں کی بناء پر اسلام کی ماہیت کے متعلق کوئی رائے قائم کریں کیونکہ بہت سے فہیم اور عالم مسلمانوں نے خود ہی ان پر جرح قدح کی ہے۔

محمد فرید وجدی لکھتا ہے کہ:۔

"اگر اہلِ یورپ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تمام الزاموں کو سچا سمجھتے ہیں تو وہ قابلِ معافی ہیں۔ اور اگر وہ ہمارے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں تو بھی حق بجانب ہیں۔ کیونکہ اُن کی آنکھوں کے سامنے صرف وہ عجوبہ کاریاں ہیں جو کم فہم لوگوں نے اختراع کی ہیں۔ اور عوام نے انہیں قبول کرکے اُن میں ایسی باتیں بھی بڑھا دی ہیں جو الحاد اور گمراہی سے کم نہیں اور انسانی فطرت اور تہذیب کے قوانین کے خلاف ہیں۔ اسلام تمام راحتوں کا سرچشمہ ہے لیکن ہم کس طرح امید رکھ سکتے ہیں کہ اہلِ یورپ ہمارے مذہب کی حقیقت سے آگاہ ہوجائیں گے۔ حالانکہ اُن کا علم اسلام کے اُن مظاہر تک محدود ہے جو وہ روزانہ دیکھتے ہیں۔ مثلاً غُل مچانے والی ٹولیاں جو بازاروں میں جھنڈوں اور ڈھولوں کے پیچھے چلتی ہیں۔ مکروہ اور مخرب اخلاق رسمیں جو میلاد النبیؐ کے موقع پر مصر کے تمام شہروں میں منائی جاتی ہیں۔ عوام کے سامنے ہزاروں آدمیوں کا پرے باندھ کر آنا اور آپس میں مل جل جانا۔ وہ پُر اسرار دُعا جو وہ ایسی باتیں کو دلنشیں کرتے ہوئے زور زور اور آواز کے ساتھ

بیچ کر سنائی جاتی ہے اور اسی قسم کی دوسری مکروہات۔"

مسلمانوں کا فرض

علمائے مشرق پر دو فرض عائد ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام دنیا کو اس بات سے باخبر کریں کہ اسلام اُن غلطیوں سے پاک ہے جو بہت سے مصنف اس کی طرف عموماً منسوب کرتے ہیں۔ اور اسلام اُن بدعتوں کا ذمہ دار نہیں ہے جن کا مظاہرہ تماشائیوں کے سامنے عوام کرتے ہیں۔ بلکہ در اصل اسلام نام ہے سچی خوشی کے مجموعۂ قوانین کا۔ اور یہ فرستہ ہے حقیقی تہذیب کا۔ لہٰذا ہر شخص کا فرض ہے کہ اسلام کی عظمت اور محبت کا دم بھرے اور اُن دانشمندوں کی پیروی کرے جو اس پر ایمان لائے اور اس کی ترقی کا باعث ہوئے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا دوسرا فرض یہ ہے کہ اِن بدعتوں کو مٹانے کی کوشش کریں۔ جو اسلامی دُنیا کو پستی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اور مشرق کے ماتھے پر ایک کلنک ہیں اور ہر معمولی عقل رکھنے والا بھی اُن سے نفرت کرتا ہے۔

باب ہفتم

اسلام اور سائنس

اسلام عقلی مذہب ہے

بقول محمد عبدہٗ اسلام کی بنیاد عقل و فکر پر ہے

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدائے واحد پر یقین پیدا کرنے کے لئے اسلام معجزات سے نہیں بلکہ عام انسانی عقل سے کام لیتا ہے۔ اور انبیاء اور وحیٔ الٰہی پر ایمان پیدا کرنے کے لئے اُس عظیم الشان معجزے کو پیش کرتا ہے۔ جس کا نام قرآن ہے جو بجائے خود ایک قابل فہم سائنس اور خدا تعالیٰ کا پُر حکمت کلام ہے۔ اور اسلام یہ نہیں کہتا کہ چپ چاپ ہو کر اُسے قبول کر لو۔ بلکہ وہ دعوت دیتا ہے کہ جہاں تک انسانی عقل و فکر کی رسائی ہے۔ اسلام کے متعلق سوچ بچار سے کام لو۔ اور وہ للکارتا ہے کہ اگر قرآن کی برتری سے انکار ہے تو اس کی مثل کوئی کتاب پیش کر کے اپنے دعوے کو ثابت کرو۔

اسلام میں عقل و فکر کو ایسی اہمیت حاصل ہے کہ اکثر مسلمانوں کا یہی اصول ہے (میں یہاں محمد عبدہٗ کا طرزِ فکر مثال کے طور پر پیش کرتی ہوں) کہ جب ایک مزعومہ حدیث اور عقل میں ناقابلِ اصلاح تناقض ہو تو عقل غالب آئے گی۔ اور حدیث کو وضعی قرار دے کر ردّ کرنا پڑے گا۔ اصل میں ہمارے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ حدیث کا منشاء ناقابلِ فہم ہے یا ہمیں اس کی تعبیر عقل کے مطابق کرنا پڑے گی۔ اسلام یہ توقع اور خواہش نہیں رکھتا کہ مسلمان حدیث کے تمام مجموعوں کو جُوں کا تُوں مان لیں خواہ اُن میں سے بعض حدیثیں خلافِ عقل ہی کیوں نہ ہوں۔

پس وہ مذہب جو عقل و فکر پر مبنی ہے۔ جو عقل کو اس قدر وسیع گنجائش دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تمام خداداد طاقتوں سے کام لو جن میں سب سے بڑی وہ طاقت ہے جس کا نام فہم و فراست ہے۔ کیا ممکن ہے۔ کہ ایسا مذہب سائنس اور حکمت کی راہ میں حائل ہو۔

مذہب اور حکومت

کہا جاتا ہے کہ یورپ میں تہذیبِ نو کی ترقی کا باعث یہ ہے کہ عیسائیت نے مدنی اور مذہبی اختیارات کو الگ الگ کر دیا اور نیز یہ کہ فی زمانہ دُوَلِ مغرب کلیسیا کے اثر سے آزاد ہیں جو اُن پر کئی صدیوں تک مسلط رہ چکی ہے۔ اور اسکے برعکس اسلامی ملکوں کے اندر اس قسم کی علیحدگی عمل میں نہیں آ سکتی۔

الفرقان - اسلام پر ایک نظر
۴۸
ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۰ء

کیونکہ قانون نے مدنی اور مذہبی اختیارات کو یکجا کر دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام ہر لحاظ سے مذہب اور سیاسی حکومت کے مجموعے کا نام ہے۔ اسلام نے انسان کو خدا تعالیٰ کی شناخت عطا کی اور اس کے علاوہ حقوق و فرائض مقرر کئے جن کی بجا آوری کے لئے حکومت کے وجود کو ضروری قرار دیا۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک خلیفہ مذہبی امام نہیں[1]۔ وہ غلطی سے پاک نہیں۔ وہ الہام الٰہی کا مدعی نہیں۔

---

[1] **ضروری نوٹ:** - اسلامی تعلیم کے مطابق نبی کی وفات کے بعد جس شخص کو خلافت کے مقام پر کھڑا کیا جاتا ہے وہ "خلیفۂ راشد" کہلاتا ہے۔ خلافتِ راشدہ نبوت کا تتمہ اور اس کا روحانی ثمرہ ہوتی ہے اسی لئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما کانت نبوۃٌ قطُّ اِلّا تبعتھا خلافۃٌ (الجامع الصغیر للسیوطی) کہ ہر نبوت کے ساتھ خلافتِ حقہ کا دَور لازمی طور پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے سورۂ نور میں فرمایا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمانداروں اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین پر اپنے خلیفے بنائیگا جیسا اس نے پہلے لوگوں میں خلیفے بنائے تھے اور ان کے دین کو پختگی بخشیگا جو اس نے ان کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ نیز ان کے خوف کو بدل کر انہیں امن عطا فرمائیگا۔ وہ میری عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ ہاں جو لوگ اس انعام کے باوجود انکار کرینگے تو وہ فاسق ٹھہریں گے۔

اس آیت سے جسے آیتِ استخلاف بھی کہتے ہیں صاف ظاہر ہے کہ انبیاء کے بعد جماعتِ مومنین کے لئے خلیفہ کا تقرر الٰہی وعدہ

اس کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ قرآن و حدیث کی تشریح کر کے اُن کی فرضیت کو ثابت کر سکتا ہے۔ انصاف کا کام

اور ربانی منشاء سے ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر کا اظہار ہوتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ وہ خدا کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ اس کا قیام دین کی تمکنت کا موجب ہوتا ہے اور اس ذریعہ سے جماعتِ مسلمہ کا خوف امن سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ خلیفہ اپنے وقت میں توحیدِ الٰہی کا سب سے بڑا علمبردار ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے برسرِ پیکار افراد خدا کے نافرمان قرار پاتے ہیں۔

آیت سے واضح ہے کہ یہ اسلامی اور قرآنی خلفاءِ راشدین مسلمانوں کے مذہبی امام ہیں اور انکی اقتداء و پیروی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے علیکم بسُنّتی و سُنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (جامع الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۰) کہ اے مسلمانو! تم میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت کی پیروی کرو۔ پس اسلام میں خلیفۂ راشد مذہبی امام ہے۔ اسے جماعت کی دینی اور دنیوی صیانت اور حفاظت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اسلئے اسے ایسی غلطیوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے جو جماعت کو تباہی کے گڑھے میں گرا دیں۔ اللہ تعالیٰ خلفاءِ راشدین کی خود رہنمائی کرتا ہے اور جلی یا خفی الہام سے اُن پر بسا اوقات اپنی مرضی کا اظہار فرماتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں اسکی واقعاتی مثالیں موجود ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ خلفاءِ راشدین شارع نہیں ہوتے، وہ نیا قانون نہیں بنا سکتے مگر اپنے اپنے وقت میں قرآن و سنتِ نبوی کے بہترین شارح اور آخری مرجع ہوتے ہیں۔ فہم قرآن کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں مگر آیت قرآنی لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (سورۃ الواقعہ) کے مطابق خلفاءِ راشدین اس نعمت سے زیادہ بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اسلام میں خلفاءِ راشدین کی اطاعت لازمی ہے۔ اُنکا مقابلہ یا عدمِ اطاعت فسق قرار پاتا ہے۔ اُنکے روحانی مقام کی

چلانے کے لئے اُسے اسلامی ماخذوں کا خاصا علم ہونا چاہیئے تاکہ وہ جھوٹ اور سچ میں فرق کر سکے لیکن فہم قرآن کے لحاظ سے وہ دوسرے مسلمانوں کی مانند ہے جب تک

وہ حدود کے اندر رہتا ہے اُس کی اطاعت ہوتی رہے گی اور اگر وہ حدود سے نکل جائے تو اُس کی رعایا اس کے غلطی کی طرف اُسے توجہ دلائے گی اور اُسے متنبہ کریگی۔ اور اگر وہ انکی بات کو نہ مانے تو اُس کی جگہ نیا خلیفہ چُن لے گی۔ ایک مشہور

بقیہ حاشیہ صلا

وجہ سے ان کے لئے حدود الہیہ سے نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور انہیں ہٹا کر نئے خلیفہ کو چُننے کے لئے اسلامی تعلیم میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کے دورِ اوّل میں ہونے والے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "ان اللہ یقمصك قمیصًا فان ارادك المنافقون علی خلعه فلا تخلعه" (مستدرک حاکم) کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک کُرتہ پہنائیگا اگر منافق اُسے اُتروانا چاہیں تو مت اُتارنا۔"

چنانچہ جب کچھ لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے معزول ہونے کا مطالبہ کیا تو آپؓ نے جواب دیا:۔ "ما كنت لاخلع سربالاً سربلنيه الله فتكون سنة من بعدى، كلما كره القوم امامهم خلعوه۔" کہ جو کُرتہ خدا نے مجھے پہنایا ہے میں اسے اُتارنے کے لئے تیار نہیں ہوں ورنہ تو بعد ازاں یہ طریق بن جائیگا کہ جب لوگ اپنے امام سے ناراض ہوئے اُسے معزول کردیا۔" (العقد الفرید جلد ۳ صـ)

اس حدیث نبویؐ اور حضرت عثمانؓ کے جواب سے عیاں ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کسی کے عزل کا سوال اُٹھانا اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی شہادت سے اس عقیدہ پر مُہر کردی ہے کہ خلیفۂ برحق شہید ہو سکتا ہے مگر اُسے خلافت سے معزول نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کی اس واضح تعلیم اور دورِ خلافتِ راشدہ کی اس واضح تاریخی شہادت کے باوجود فاضل مصنف پروفیسر وگلیری کا عزلِ خلیفہ کے خیال کو اسلامی نظریہ لکھنا بہت بڑی فروگذاشت ہے۔ ہمارے نزدیک اس فروگذاشت کی وجہ یہ ہے کہ لفظ

خلیفہ کا اطلاق وسعت پذیر ہو گیا ہے۔ عام بادشاہوں پر بھی اِس کا اطلاق ہونے لگ گیا ہے۔ کیونکہ لغت کے رُو سے یہ گنجائش موجود ہے۔ لغت کی عام کتابوں میں لکھا ہے:۔

(۱) الخليفة: السلطان الاعظم

(القاموس المحيط ولسان العرب)

(۲) الخلافة: الامارة (المنجد)

کہ خلیفہ بادشاہ کو کہتے ہیں اور خلافت بمعنی بادشاہت وحکومت مستعمل ہے۔

اسی استعمال کے لحاظ سے خلافتِ راشدہ کے دور کے بعد عام ملوک سلاطین بھی "خلیفہ" اور "امیر المومنین" کے لقب سے ملقب ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ انہیں خلفاء راشدین قرار نہیں دیا گیا مگر لفظ خلیفہ بوجہ بادشاہت کے اُن پر بولا جاتا ہے۔ علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:۔ "وقد صنن بهذا الوصف على غيرهم من الخلفاء لان ابهة الملك كانت قد تملكتهم" (دائرۃ المعارف جلد ۳ صـ) کہ چار خلفاء کے بعد آنے والے خلفاء (ملوک و امراء) کو خلفاء راشدین کے لقب سے یاد نہیں کیا جاتا کیونکہ شاہانہ طرز ان پر غالب آگئی تھی۔" اور چونکہ ایک عام بادشاہ کے لئے اسلام میں یہی مقام ہے جو پروفیسر وگلیری نے ذکر فرمایا ہے وہ مذہبی امام نہیں ہوتا۔ اُسے فہم قرآن کے لحاظ سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اگر حدود شرعیہ سے نکل جائے تو ایک ایسے مرحلہ میں پہنچ کر اس کی جگہ دوسرا شخص چُن لینے کی اسلام میں اجازت ہے۔ اسلئے ان حالات میں پروفیسر وگلیری کے بیان کے بارے میں مندرجہ بالا تشریح کافی ہے۔ یعنی اُن کا یہ بیان خلیفہ راشد

حدیث ہے کہ جو شخص خدا کا باغی ہو اس کی اطاعت فرض نہیں پس ہر اعتبار سے خلیفہ (بادشاہ) کو ایک مدنی حاکم کا مقام حاصل ہے نہ کہ وہ مذہبی امام ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اختیارات سونپے ہوں اور وہ رعایا کے لئے عقیدۃً واجب الاطاعت ہو- اسلام صرف ایک مذہبی طاقت ہے (اگر ہم اُسے طاقت کے نام سے موسوم کر سکیں) جو اس قوت پر مشتمل ہے جو خدا تعالیٰ نے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ہر مسلمان کو عطاء فرمائی ہے- تاکہ مومنوں کو نیکی کے راستے پر چلایا جائے اور بدی کے راستے سے بچایا جائے- قاضی، مفتی اور شیخ الاسلام صرف مدنی اختیارات رکھتے ہیں کیونکہ اُن میں سے کوئی بھی اپنے بھائیوں کے عقیدے کے خلاف اُن سے اپنا اختیار منوا نہیں سکتا-

یورپ پر اسلام کے احسانات

پس ہمیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ اسلام نے گزشتہ صدیوں میں تہذیب کی ترقی کو روک دیا- حالانکہ اُس وقت اسلامی دربار اور درسگاہیں یورپ کے لئے تہذیب کے میناروں کا کام دیتے تھے- یہ وہ وقت تھا جب یورپ پر ازمنۂ وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور دانشمندانِ عرب کے خیالات ایسی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے کہ مغربی علماء نے اُن کی پیروی کی- یہ وہ زمانہ تھا جب ہارون الرشید نے مختلف علوم کے مطالعہ کے لئے ہر مسجد کے ساتھ ایک درسگاہ جاری کی- اور تمام دُنیائے اسلام کے لئے ایسے کتب خانے کھول دیئے جن میں لاکھوں کتابیں موجود تھیں- کیا عرب ہی وہ لوگ نہ تھے جنہوں نے عملی طریقوں کو استعمال کیا- علمِ کیمیا، علمِ ہیئت کی ترقی، یونانی سائنس کی اشاعت، علمِ طب کے مطالعہ کو فروغ دینا اور بہت سے طبعی قوانین کا دریافت کرنا کیا یہ سب کے سب عربوں کے احسانات نہیں ہیں؟

سائنس اور بعض اسلامی مُلک

جب یہ صورت ہے تو ہمیں یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ اسلام طبعاً سائنس کی ترقی میں روکیں ڈالتا ہے- بلکہ ہمیں کہنا چاہیئے کہ بعض علاقوں میں قیامِ امن کی خاطر حُکام مجبور تھے کہ ایسے خیالات کی رَو کو روک دیں جو امنِ عامہ کے لئے خطرناک ہو سکتی تھی- اور نیز یہ کہ گزشتہ زمانہ میں مذہبی اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ سیاسی اور بعض اوقات ذاتی جھگڑوں نے فقیہوں، قانون سازوں، روایت پرستوں اور فلسفیوں کی طبیعتوں پر جابرانہ اثر ڈالا- ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آجکل بعض مسلمان علاقوں میں عقلی سائنس اور جدید صنعت و حرفت کے خلاف سخت اعتراض اٹھائے جاتے ہیں- افغانی، ایرانی اور ہندی اپنی پُرانی روایتوں پر مضبوطی سے قائم ہیں- المغرب (ایک خاص ملک کا نام ہے) کے لوگ غالباً توہم پرستی میں گرفتار ہیں- ایسے فقیہ بھی موجود ہیں جو بعض کتابوں کو اصولی کتابیں قرار دے چکے ہیں اور اُن کے ظاہری الفاظ کے ایسے دلدادہ ہیں کہ جب کوئی نیا مقدمہ پیش آجائے جس کے متعلق ان کتابوں میں کوئی اشارہ نہ پایا جاتا ہو تو وہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے

بقیہ حاشیہ ص ۴۹

اور حکمرانوں کے متعلق ہے- جنہیں عرفِ عام میں لوگ خلفاء بھی کہتے رہے ہیں- پروفیسر وگلیری کی عبارت کا سیاق و سباق بھی اِس تشریح اور تخصیص کا پُورا پُورا مؤید ہے- ورنہ خلفاءِ راشدین قرآن و حدیث کے رُو سے عزل سے مستثنیٰ ہیں- ان کے بارے میں اسلامی نظریہ وہی ہے جو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں ہم اِس ضروری نوٹ کی سطورِ بالا میں درج کر چکے ہیں- واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین-

(ابوالعطاء جالندھری)

انکار کر دیتے ہیں۔ یا مقدمے کو روکے رکھتے ہیں۔ جبتک اپنی پسند کے مصنف کی کسی مقبولہ رائے سے خود متفق نہ ہو جائیں۔

خاص تاریخی اثرات کے ماتحت بعض مقامی حالات پائے جاتے ہیں۔ اور بعض مسلمان فرقوں کی ذہنیت نہایت کٹر واقع ہوئی ہے۔ لیکن یہ باتیں اسلامی رُوح کے منافی ہیں۔ اور اُن کی وجہ سے اسلام پر یہ الزام لگانا کہ وہ جامد اور مانع ترقی ہے بعید از انصاف ہے۔

بعض عجمی فاتحین کا غلط رویّہ

اسلام عرب کیلئے ایک خزانہ تھا اور یونانی سائنس پر عربی رنگ چڑھا لیکن افسوس ہے کہ بعد میں یہ خزانہ ترکوں، تاتاریوں اور منگولوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ان لوگوں نے جلبِ منفعت کی خاطر عربوں کی ملازمت اختیار کی اور ان کا مقصد صرف روپیہ کمانا تھا۔ پھر یہی لوگ اسلامی دُنیا پر غالب آ گئے اور مفتوحین کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اسلام کا لبادہ تو پہن لیا۔ لیکن اسلام کی رُوح سے ناآشنا رہے اور ان کے دلوں میں اسلامی تعلیم داخل نہ ہوئی۔ پس وہ کبھی اِس قابل نہ ہوئے۔ کہ اسلام کی حقیقت کو سمجھیں۔ یہ وحشی لوگ اِس بات کے ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے اپنی رعایا کے دلوں کو سُلا دینا چاہا۔ تاکہ وہ سائنس میں دلچسپی نہ لیں اور آسانی سے اُن پر حکومت کی جا سکے۔ ان نئی طاقتوں نے تمام اسلامی معاملات کے فیصلے کرنے کا فرض اپنے لئے اور صرف اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ اور قضا و قدر کے مسئلے کو آڑ بنا کر اپنی رعایا کو غور و فکر کرنے سے روکنا چاہا۔ تاکہ وہ خود ٹھوس بُنیاد وں پر جم جائیں۔ اور اس خیال کی تائید کرتے رہیں۔ کہ آئندہ کے لئے خدا تعالےٰ کے فضلوں کے دروازے ہر نو وارد پر بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ بات قرآنی تعلیم کے عین خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن دوسرے مذہب والوں کو اسی گناہ کی وجہ سے ملامت کرتا ہے۔

اس نہج پر مسلمانوں کو آزادئ فکر سے روکا گیا۔ اور اسلاف کی آراء پر چلنے کے لئے مجبور کیا گیا الغرض ان باہر سے داخل ہونے والوں نے اپنے اختیار کردہ مذہب کو خود جھٹلایا اور اس کی ظاہری باتوں کی پیروی کی لیکن اس کے مغز کو نہ سمجھا۔ نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے ماتحت اسلام کے اندر عصبیت پیدا ہو گئی جس کے نہایت خطرناک نتائج نکلے۔ نہ صرف مذہب یا قانون کے دائروں کے اندر، یا روایات اور علم ادب اور فلسفہ کے باب میں بلکہ سماجی زندگی کے مختلف مظاہر میں بھی یہ عصبیت کارفرما ہوئی۔

حرفِ آخر

ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اس بارے میں مزید شہادت پیش کریں۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ عصبیت ایک مرض ہے جو دُور ہو کر رہے گا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مرض دُور ہو رہا ہے۔ اور بالآخر مسلمان اس مقدس کتاب کی طرف رجوع کریں گے جس میں دوست یا دشمن عالم یا جاہل کوئی تغیر تبدل نہیں کر سکا۔ وہ کتاب جو گردشِ ایام کے اثر سے محفوظ ہے۔ اور اسی حالت پر قائم ہے جس حالت میں خدا تعالےٰ نے اُسے ایک معصوم اور اُمّی نبی پر اُتارا۔ جو آخری شارع نبی ہے۔ جب مسلمان بلا واسطہ اس مقدس کتاب کے چشمے سے پئیں گے۔ تو بالضرور وہ نئی قوت پائیں گے۔ اس بات کی قوی شہادت موجود

شکریہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے مَن لم یشکر النّاس لم یشکر اللّٰہ ۔ کہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کا شاکر بندہ نہیں بن سکتا۔ اِس زرّین تعلیم کے ذریعہ حضور علیہ السّلام نے اعلیٰ اخلاق کی بُنیاد قائم فرمائی ہے۔

مومن کے لئے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی توحید اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سچائی دُنیا پر ظاہر ہو۔ اِس بلند مقصد کے لئے جو شخص بھی امداد کرتا ہے وہ ہمارے محسنوں میں سے ہوگا۔ اور ہم پر اس کا شکریہ واجب ہے۔

محترمہ پروفیسر وگلیری صاحبہ نے اپنے خاص رنگ میں اسلامی تعلیم کو جس طرح پیش کیا ہے اسے پڑھ کر اہلِ ایمان کے جذباتِ تشکر کا اُبھرنا ایک یقینی امر ہے۔ محترمہ کے بعض نظریات سے اختلاف کے باوجود ہمیں ان کے خلوص اور محققانہ انداز پر قطعاً شبہ نہیں اسلئے ہم ان کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔ نیز محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کے بھی جنہوں نے اِس کتاب کو اُردو کا لباس پہنایا ہے۔ جزاہ اللّٰہ خیراً۔

خاکسار

الناشر

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کیساتھ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ[1] فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ

حج کا وقت معلوم اور مقرر مہینے ہیں - جو شخص ان میں حج کرنے کا عزم کرے اسے چاہیئے کہ حج کے اوقات میں شہوانی امور پر مشتمل

لَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

گفتگو وغیرہ نہ کرے نہ ہی اور کوئی نافرمانی یا جھگڑا کرے - جو نیک کام تم بجالاتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے -

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

تم (سفر حج میں) زادِ راہ ضرور لیا کرو - بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے - اے اہل عقل مجھ سے تقویٰ اختیار کرو -

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

ہاں (ان ایام میں بھی) تم پر اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل (جائز دنیوی نفع بھی) تلاش کرو -

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ

جب تم عرفات سے تیزی سے آؤ تو المشعر الحرام (مزدلفہ) کے مقام پر خاص طور پر ذکر الٰہی

الْحَرَامِ ۠[2] وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

کرو - اسی طرح اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور قبل ازیں بلاشبہ تم

[1] تفسیر کشاف میں لکھا ہے - الاشهر المعلومات: شوال و ذو القعدة وعشر ذی الحجة عند ابی حنيفة، وعند الشافعی تسع ذی الحجة وليلة يوم النحر وعند مالك ذو الحجة كله کہ ان مقررہ مہینوں سے شوال اور ذوالقعدہ کے علاوہ ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، نو دن اور یوم النحر کی رات امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام مالکؒ کے نزدیک سارا مہینہ ذوالحجہ مراد ہے -

[2] المشعر الحرام - مزدلفہ کے آخری حصہ میں ایک پہاڑی کو المشعر الحرام کہتے ہیں - وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم وقف

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ۵۳

گمراہ تھے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ تم اسی جگہ سے لوٹا کرو جس جگہ سے عام لوگ لوٹتے ہیں

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ جب تم حج کے ارکان ادا کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ

تو (زمانۂ جاہلیت میں) اپنے باپوں کا ذکر کرنے کی طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ

اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا

اس سے بھی بڑھ کر۔ بعض لوگ اتنا ہی کہتے ہیں کہ اے ہمارے خدا ہمیں دنیا سے عطا کر۔

وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بعض لوگ یوں دعا مانگتے ہیں کہ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا

اے ہمارے خدا! ہمیں دنیا میں بھی اچھی حالت عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھا انجام نصیب کر۔ اور ہمیں

عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ

آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ ان لوگوں کو ان کے نیک اعمال کا عمدہ بدلہ ملے گا اللہ تعالیٰ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

جلد حساب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان گنتی کے ایام (حج کے دنوں) میں خاص ذکر کیا کرو۔

۵۳ صحیح البخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اشراف قریش مزدلفہ سے آگے عرفات نہ جایا کرتے تھے اور اس طریق کو اپنے لئے ایک امتیاز سمجھتے تھے مگر اسلام نے اس امتیاز کو اڑا دیا" فلما جاء الاسلام امر الله نبيه صلی الله علیه وسلم ان یأتی عرفات"

اسجگہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ سب حجاج کو عرفات جانا چاہیئے اور وہاں سے پلٹنا چاہیئے۔ کسی کو امتیاز حاصل نہیں ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ج وَمَنْ

جو شخص جلدی سے دو دنوں میں یہ عبادت سرانجام دیدے اس پر بھی گناہ نہیں ۔ اور جو تقویٰ کے مدنظر

تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لا لِمَنِ اتَّقٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ

مزید ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی حرج نہیں ۔ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَمِنَ النَّاسِ

اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے ۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں

مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تجھے دلربا معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دل کے خیالات

عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ لا وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰى

پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے ۔ اور وہ شدید قسم کا جھگڑالو ہوتا ہے ۔ جب وہ صاحب اقتدار بنتا ہے

سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

تو اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے ۔

وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِيْلَ

اللہ تعالیٰ تو کسی قسم کے فساد کو پسند نہیں کرتا ۔ جب اسے کہا جاتا ہے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ

کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو جھوٹی عزت اور غرور اسے اور بھی گناہ پر آمادہ کر دیتے ہیں ۔ اسکے لئے

سلہ یہ ایام التشریق کہلاتے ہیں جو یوم النحر کے بعد شروع ہوتے ہیں جن میں حاجی رمی الجمار کرتے ہیں ۔ دو دن بھی کیا جاسکتا ہے اور زیادہ بھی ۔ آجکل دو دن رمی الجمار کرنے کا عام طریق ہے ۔

شہ بعض نے اس سے الاخنس بن شریق مراد لیا ہے ۔ جس نے بنو ثقیف کی نسل اور کھیتوں کو تباہ کر دیا تھا ۔ وقیل نزلت فی حق کل منافق ۔ باقی مفسرین اس آیت کو ہر منافق کے بارے میں

جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ وَمِنَ النَّاسِ[۵۶] مَنْ يَّشْرِيْ

جہنم بس ہے - اور وہ یقیناً بُرا ٹھکانہ ہے - ہاں بعض ایسے انسان بھی ہیں جو اللہ کی

نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ

خوشنودی کی جستجو میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں - اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی

بِالْعِبَادِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ[۵۷] كَآفَّةً ص [illegible]

نرمی کرنے والا ہے - اے ایماندارو! پورے طور پر اور سب کے سب خدا کی اطاعت اختیار کرکے اس

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

شیطانی راستوں کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

مُّبِيْنٌ ○ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ

اس قدر بیّنات اور روشن نشانوں کے باوجود اگر تم لغزش کھاؤ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے - یہ لوگ تو اسی کے منتظر ہیں

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

کہ بادلوں کے سایوں میں خدا تعالیٰ (قہری تجلّی کے ساتھ) ان کے پاس آجائے اور فرشتے بھی

وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ ع ۲۵ ۹

اور پھر سب معاملہ ختم کر دیا ہے حالانکہ تمام معاملات آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتے ہیں -

۵۶ مومنوں کے متعلق دوسری جگہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی جانیں دے کر خدا کی جنت لیتے ہیں اور حقیقی جنت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے -

۵۷ سلم کے معنے اطاعت اور صلح کے ہوتے ہیں. لفظ السلم مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے اسلئے کافۃً کو بعض لوگوں نے السلم کا حال قرار دیا ہے - آیت کا مطلب یہ ہے کہ سارے مسلمان ہی نیک اور اطاعت شعار ہوں - اور وہ ساری

وحیٔ مقدس میں حضرت مسیح موعودؑ کی شان میں

قریباً ایک سَو دفعہ رسول اور نبی کے الفاظ کا استعمال!

(جناب امیر عالم صاحب بی۔اے لیہ)

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوئے نبوت کے بارے میں غیر مبایعین کی افسوسناک روش سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا بغور مطالعہ نہیں کرتے یا محض ضد اور مخالفت سے کام لے رہے ہیں۔ یہ مرض ان میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ان کی اگلی نسل حضرت مسیح موعودؑ کے منصب اور آپ کی تعلیم سے سراسر ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اور غیر احمدیوں کی طرح ان کا مقصدِ حیات صرف جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنا رہ گیا ہے۔ اگر وہ حضرت مسیح موعودؑ کے لٹریچر کا مطالعہ دیانتداری سے کریں تو ان کی مخالفت بآسانی ختم ہوسکتی ہے اور انہیں معلوم ہوجائے گا کہ ان کا رویہ سراسر حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور آپ کے ارشادات کے منافی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوئے نبوت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کی وحی پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا خدا تعالیٰ نے آپ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے پکارا ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے پکارا گیا ہو تو کسی کا حق نہیں کہ وہ پھر آپ کی رسالت اور نبوت سے انکار کرے۔ ذیل میں کتاب تذکرہ سے آپ کی وہ وحی پیش کی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

۱۔ ھو الّذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہٗ علی الدّین کلّہٖ۔ صفحہ ۴۵، ۲۲۱، ۲۷۶، ۲۶۳، ۲۷۵، ۲۷۷، ۳۹۸، ۴۰۶، ۴۹۷، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۲۱۔ ۱۲ دفعہ

۲۔ جری اللہ فی حُلل الانبیاء۔ صفحہ ۸۱، ۶۲۰۔ ۲ دو دفعہ۔

۳۔ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ صفحہ ۱۰۸، ۱۹۰، ۲۸۵، ۲۷۲، ۴۱۰، ۶۲۶۔ ۶ دفعہ۔

۴۔ دُنیا میں ایک نبی آیا۔ صفحہ ۱۰۸۔ ۲ دفعہ۔

۵۔ کتب اللہ لاغلبنّ انا ورُسلی۔ صفحہ ۱۱۱، ۲۸۲، ۳۷۳، ۳۹۸، ۴۰۳، ۴۹۱، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۸۰، ۵۸۴، ۶۲۳۔ ۱۱ دفعہ

۶۔ جری اللہ فی حُلل المرسلین۔ صفحہ ۲۴۷، ۳۹۶۔ ۲ دفعہ

۷۔ وقل یایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ صفحہ ۳۶۰۔ ایک دفعہ

۸۔ یوم یعضّ الظّالم علیٰ یدیہ۔ یالیتنی اتّخذت مع الرسول سبیلاً۔ صفحہ ۳۸۲، ۴۰۲۔ ۲ دفعہ۔

۹۔ اِنّی مع الرّسول اقومُ۔ صفحہ ۴۰۷، ۴۱۵، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۹۷، ۵۰۸، ۵۲۴، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۸، ۶۲۷، ۶۵۴، ۶۹۲، ۷۰۴، ۷۰۸، ۷۱۲، ۷۲۰، ۷۲۱،

۷۵۲ - ۲۱ دفعہ

۱۰- اِنّی مع الرسول اجیبُ اخطی واصیبُ اِنّی مع الرسول محیطٌ - ۲ دفعہ

۱۱- یٰسین والقرآن الحکیم۔ اِنّک لمن المرسلین۔ صفحہ ۴۸۸ - ایک دفعہ

۱۲- یا احمدُ جُعِلتَ مرسلاً۔ صفحہ ۴۹۲ - ایک دفعہ۔

۱۳- اِنّی لا یخاف لدیّ المرسلون صفحہ ۴۳۵، ۴۹۵، ۵۶۴، ۵۷۹، ۶۲۲، ۶۳۸، ۶۴۰- سات دفعہ۔

۱۴- ویقولون لستَ مرسلاً۔ صفحہ ۴۹۵ - ایک دفعہ

۱۵- وما ارسلناک الّا رحمۃً للعالمین - صفحہ ۴۹۶ - ایک دفعہ

۱۶- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزین ہوئے قلعہ ہند میں - صفحہ ۵۰۶ - ایک دفعہ

۱۷- اِنّی مع الرسول فقط - صفحہ ۵۲۱ - ایک دفعہ۔

۱۸- اِنّی انا الرحمان لا یخاف لدیّ المرسلون۔ صفحہ ۵۶۲ - ایک دفعہ۔

۱۹- اِنّا ارسلناک رسولاً شاھداً کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ صفحہ ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۵۱- تین دفعہ۔

۲۰- ما ارسل نبی الّا اخزیٰ بہ اللہ قوماً لا یؤمنون۔ صفحہ ۶۱۴، ۶۳۹- دو دفعہ

۲۱- یا نبی اللہ کنت لا اعرفک صفحہ ۵۸۸، ۶۱۵- دو دفعہ۔

۲۲- اِنّی مع الرسول اجیبُ۔ صفحہ ۶۵۳- ایک دفعہ

۲۳- یٰسین - اِنّک لمن المرسلین صفحہ ۶۵۸ ایک دفعہ۔

۲۴- لا تطأُ قدمہا لعامّۃ قدم النبیا

صفحہ ۷۰۵ - ایک دفعہ

۲۵- بلغت قدم الرسول صفحہ ۷۰۵ - ایک دفعہ

۲۶- وما کُنّا معذّبین حتّیٰ نبعث رسولاً۔ صفحہ ۷۳۱، ۷۴۴ - دو دفعہ

۲۷- یٰایّہا النبیّ اطعموا الجائع والمعتر ایک دفعہ۔

۲۸- تُو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل۔ صفحہ ۷۶۴ - ایک دفعہ۔

۲۹- بشارۃٌ تلقاہا النبیّون۔ صفحہ ۴۶۵، ۵۷۹ - دو دفعہ۔

۳۰- ایک عزّت کا خطاب۔ ایک عزّت کا خطاب۔ لک خطاب العزّۃ۔ صفحہ ۷۴۴ - تین دفعہ

میزان = ۹۵ دفعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں کم و بیش ڈیڑھ سَو دفعہ رسول اور نبی کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے - اور دوسرے انبیاء کی شان میں چند دفعہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں - کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ وہ ان انبیاء کی نبوّت یا رسالت سے انکار کر سکے کیونکہ خدا تعالیٰ کا ایک دفعہ کا فرمان بھی اسی طرح واجب التسلیم ہے جس طرح اس سے زائد کا۔ براہین احمدیہ کے زمانہ سے لے کر آخیر عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کو قریباً ایک سَو دفعہ[1] نبی اور رسول کہہ کر وحی مقدس میں پکارا گیا ہے - اب جبکہ بار بار خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو نبی اور رسول کے نام سے مخاطب کیا ہو تو کیا کسی مبایع کی طاقت ہے کہ آپ کو نبی اور رسول ماننے سے انکار کرے؟ آیت مبارکہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ کی تعمیل میں ہمارا فرض ہے کہ ہم صدقِ دل سے خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں - ورنہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے ہوں گے۔

[1] الفرقان - بہت سے الہامات بار بار بھی نازل ہوئے ہیں

اِس کے بعد یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ کی مقدس وحی کے الفاظ رسول اور نبی کو کیسے قبول کیا۔ آپؑ فرماتے ہیں:-

۱۔ "مَیں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

۲۔ "صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

۳۔ "مَیں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۳)

۴۔ "مَیں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام لاہور)

۵۔ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

۶۔ "جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو مَیں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ مَیں اس پر قائم ہوں اُس وقت تک جو اِس دُنیا سے گزر جاؤں۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام لاہور)

۷۔ "مَیں نبی ہوں اور اُمتی بھی ہوں۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام لاہور)

۸۔ "جس جس جگہ مَیں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف اِن معنوں سے انکار کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

۹۔ "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

۱۰۔ "یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں۔ ختم نبوت کے ایسے معنے کرتے ہیں جس سے نبوت باطل ہوتی ہے۔ کیا ہم ختم نبوت کے ایسے معنے کر سکتے ہیں کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلعم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے۔" (چشمۂ مسیحی صفحہ ۴۱)

قریباً ایک سَو الفاظ نبی اور رسول کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوئے ہیں۔ اگر یہ الفاظ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام تر زندگی پر پھیلا دیئے جائیں تو آپؑ کی عمر کے ہر سال پر ۱½ کی اوسط ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ کی زندگی کا کوئی سال لفظ نبی اور رسول کے اطلاق سے خالی نہیں۔ اور اگر دعویٰ سے لے کر اخیر عمر تک سو دفعہ نبی اور رسول کو تقسیم کر دیا جائے تو قریباً تین کی اوسط پڑ جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ گویا خدا تعالےٰ نے ہر سال تین دفعہ آپؑ کو رسول اور نبی کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ اس سے زیادہ کسی نبی کی نبوت کی اَور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُسے بار بار نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا ہو۔ شروع میں دعویٰ نبوت تو ایک ہی فرمانِ الٰہی پر ہر نبی نے کیا ہے۔ اور اس کی نبوت تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ یہاں سَو دفعہ فرمانِ الٰہی سُننے اور اس سے بھی زیادہ حضرت مسیح موعودؑ کے اپنی کتب میں سمجھانے کے باوجود مبائع ہو کر انکار کیسا؟ حضرت مسیح موعود سو فیصدی نبی ہیں۔ ھل منکم رجل رشید؟

کئی اَور طریق ہیں جنکے ذریعہ وحی مقدس سے حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت روزِ روشن کی طرح ثابت ہے فی الحال اسی پر اکتفا کیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدماتِ اسلام کا مختصر ذکر

اسلام میں آیتِ قرآنی رَجُلٌ یَّسْعٰی کا مصداق کون ہے؟

(جناب حاجی چودھری غلام احمد خان صاحب ایڈووکیٹ۔ پاکپتن)

رَجُلٌ یَّسْعٰی دو لفظوں سے مرکب ہے۔ رَجُلٌ اور یَسْعٰی۔ رَجُلٌ کے معنی مرد ہے اور یَسْعٰی کے معنی سعی کرتا ہوا، کوشش کرتا ہوا، دوڑتا ہوا۔ اسلئے رَجُلٌ یَّسْعٰی کے معنی سعی کرتا ہوا، کوشش کرتا ہوا، دوڑتا ہوا مرد ہے لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ جملہ اعلیٰ درجے کے خیرخواہ، ناصح، مددگار، اوّل المومنین پر استعمال ہوا ہے۔ اسلام میں اس کے اوّلین مصداق حضرت ابوبکر عبداللہ ابن ابوقحافہ ہوئے ہیں۔ اور آپؓ کے سوائے کوئی اور مرد اس کا مصداق نہیں ہوا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو آپؐ کے گھر میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارث تھے۔ گویا ایک خاتون، دوسرا نابالغ کم سن لڑکا، اور تیسرا مرد تھا۔ عورت اور نابالغ کم سن لڑکے پر جملہ رَجُلٌ یَّسْعٰی منطبق نہیں ہوتا۔ البتہ ان میں سے حضرت زیدؓ بن حارث مرد تھے جو اُن کی طرح اسی گھر میں رہتے تھے۔ کہیں باہر سے منکرین اور مخالفین اور مکذبین میں سے سعی کرتے ہوئے، کوشش کرتے ہوئے دوڑتے ہوئے نہیں آئے تھے۔ اسلئے یہ جملہ اُن پہ بھی چسپاں نہیں ہوسکتا۔ البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی وہ اوّل المومنین ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اور دعویٰ نبوت ورسالت کی اچانک خبر پاکر خود بخود منکرین، مخالفین اور مکذبینِ اسلام میں سے نکل کر اور شہر مکہ کے پرلے کنارے سے دوڑتے ہوئے آئے اور بلا توقف اور بلا تردد اور بلا شک وشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر ایمان لائے اور اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس قسم کی یہ سب سے پہلی اور نادر مثال ہے۔ اور اس امر پر تاریخ شاہد ہے کہ متعصب سے متعصب شخص بھی اس امر کو ماننے پر مجبور ہے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کو رَجُلٌ یَّسْعٰی والے واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ایک جھگڑے کا فیصلہ کرتے ہوئے صاف طور پہ فرما دیا تھا:۔

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ
کَذَبْتَ وَقَالَ ابوبکرٍ صَدَقَ
وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ
اَنْتُمْ تَارِکُوْلِیْ صَاحِبِیْ مَرَّتَیْنِ
فَمَا اُوْذِیَ بَعْدَھَا

ترجمہ: اللہ نے مجھے تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا تو تم لوگوں نے کہہ دیا کہ تو جھوٹا ہے اور ابوبکرؓ نے کہا یہ سچ کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنی جان اور اپنے مال سے میری خدمت کی۔ پس کیا تم میرے لئے

میرے دوست کو مخصوص کر دو گے یا نہیں؟
دو مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر ابوبکرؓ کو اس کے
بعد کسی نے نہیں ستایا۔" (تجرید البخاری
حصہ دوم صفحہ ۱۸۱)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ اوّل المومنین تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے دوست اور صاحب تھے۔ اور اپنی جان اور اپنے
مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے۔
اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجے کے خیرخواہ،
جاں نثار اور مال نثار مددگار بھی تھے۔ گویا جملہ رَجُلٌ
یَسْعٰی کے پورے پورے مصداق تھے۔ حضرت
مسیح موعودؑ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی شان میں تحریر فرمایا
ہے:۔

"واللّٰہ اِنّ الصّدّیقَ رَجُلٌ .....
..... واشارَ اِلیٰ انّہٗ رَجُلٌ
لم یطب لہٗ فراقُ المصطفیٰ
و رَضِیَ بفراقِ غیرہٖ منَ القُربیٰ
و آثرَ المولیٰ وجاءَہٗ یَسعٰی
فساق الی الموت ... (سرالخلافہ صفحہ ۲)
یعنی اللہ کی قسم ابوبکر صدیقؓ مرد ہے
..... اور اشارہ کیا کہ وہ مرد ہے جسے
مصطفیٰؐ کا فراق پسند نہیں تھا۔ اور
اور قرابت داروں میں سے اس کے غیر
کے فراق پر راضی تھا۔ اس نے اپنے مولیٰ
اور دوست کو اختیار کیا اور اس کے
پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور موت تک
ساتھ دیا۔"

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رَجُلٌ یَّسْعٰی قرار دیا ہے۔

۱۹۱۰ء سنہ عیسوی کے رمضان میں حضرت حکیم الامت
مولانا مولوی نور دین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ نے مکمل
قرآن مجید کا درس دیا تھا۔ اور خاکسار راقم الحروف اس
درس میں شروع سے لیکر آخر تک شامل رہا تھا۔ مجھے
خوب یاد ہے کہ حضورؓ نے سورۃ یٰسین میں رَجُلٌ یَّسْعٰی
کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک رَجُلٌ
یَّسْعٰی حضرت موسیٰؑ کے پاس مصر کے دور کے کنارے
سے دوڑتا ہوا آیا تھا اور ایک رَجُلٌ یَّسْعٰی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ کے دور کے کنارے سے
دوڑتا ہوا آیا تھا اور اسلام میں داخل ہوا تھا اور وہ
حضرت ابوبکرؓ تھے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے
قرآن مجید میں زیر جملہ رَجُلٌ یَّسْعٰی پنسل نشان لگایا
اور اس کے بالمقابل حاشیہ پر پنسل سے "حضرت ابوبکرؓ"
تحریر کر دیا اور یہ قرآن مجید میرے پاس ابتک موجود
ہے اور اس میں اسی طرح تحریر بھی موجود ہے۔ خلاصہ
مطلب یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ بھی رَجُلٌ
یَّسْعٰی سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ لیا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہم قرآن مجید سے رَجُلٌ یَّسْعٰی
کا ذکر اور اس کی صفات اور کام اور شان بیان کرتے
ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر دو مقامات پر آیا ہے۔
ایک سورۃ القصص میں حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں دوسرے
سورۃ یٰسین میں مثیل موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذکر میں۔ یہ ہر دو سورتیں مکی ہیں۔

(۱) سورۃ القصص میں آیا ہے:۔

دو مرد ایک اسرائیلی اور ایک مصری آپس میں
لڑ رہے تھے اور ان دونوں قوموں کی آپس میں دشمنی تھی۔
اسرائیلی مرد نے حضرت موسیٰؑ سے دوسرے مصری مرد کے
خلاف مدد مانگی۔ حضرت موسیٰؑ نے مصری مرد کو مکا مارا۔
اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ اگرچہ یہ قتل عمد نہیں تھا تاہم

قتل بالخطا تو ضرور تھا۔ اسلئے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کیا۔ دوسرے دن پھر وہی اسرائیلی حضرت موسیٰ کو پکار رہا تھا۔ تو آپ نے اسے صریح گمراہ قرار دیا۔ تاہم ان دونو کے ایک دشمن کو حضرت موسیٰ نے پکڑنے کا ارادہ کیا اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تو مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا؟ تو تو ملک میں سرکش اور جبار بننا چاہتا ہے اور تو مصلحین یعنی اصلاح کرنے والوں میں سے ہونا نہیں چاہتا۔ (یہاں تک سورۂ قصص آیت ۶ تا ۲۰ کا خلاصہ مطلب بیان ہوا ہے) اس سے آگے رَجُلٌ یَّسْعٰی والی آیت آتی ہے اور وہ یوں ہے:-

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ

(القصص ع ۳)

یعنی ایک مرد شہر کے پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا اے موسیٰ! تیرے بارے میں سردار مشورہ کرتے ہیں تاکہ وہ تجھے قتل کر ڈالیں پس تو نکل جا میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں"

حضرت موسیٰ نے اس خیر خواہ رَجُلٌ یَّسْعٰی کی اطلاع پر اور نصیحت پر فوراً عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہوئے مدین کی طرف ہجرت کر گئے اور ان کے منصوبۂ قتل سے محفوظ ہو گئے۔ اس بروقت مدد کا حضرت موسیٰ کو بہت بڑا فائدہ پہنچا۔ اور اگر یہ مدد نہ ہوتی تو سخت نقصان کا اندیشہ تھا۔

قرآن مجید میں موسیٰ اور اس رَجُلٌ یَّسْعٰی کی کہانی میں مثیلِ موسیٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سبق عبرت رکھا ہوا تھا کیونکہ قرآن مجید قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں بلکہ حقائق اور معارف سے پُر کتاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ان میں درسِ عبرت موجود ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (الجاثیہ) یعنی یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حقائق بیان کرتی ہے۔

پس حضرت موسیٰ اور رجل یسعیٰ کی کہانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رجل یسعیٰ حضرت ابوبکر صدیق کے بارہ میں ایک بہت بڑی پیشگوئی موجود تھی اور وہ یہ کہ مکہ میں مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا منصوبہ کریں گے۔ اور پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کرنا پڑے گی اور اس ہجرت میں آپ کے رجل یسعیٰ یعنی حضرت ابوبکرؓ آپ کے خیر خواہ اور جاں نثار ساتھی ثابت ہوں گے۔ چنانچہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا منصوبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دیدی اور ہجرت کرنے کا حکم بھی دیدیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور رات کو ہجرت کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اور ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ کو ساتھی بننے کو کہا جو پہلے ہی تیار تھے۔ چنانچہ ہجرت کا تمام اہتمام حضرت ابوبکرؓ نے اپنے قبیلہ کی مدد سے کر لیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر ہجرت کی اور اس ہجرت کے دوران میں اپنی خیر خواہی جاں نثاری اور جانبازی کا ہر طرح ثبوت دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

حضرت موسیٰ کے رجل یسعیٰ نے آپ کو مار ڈالنے کے منصوبے سے صرف اطلاع دی تھی اور ہجرت کر جانے کی

تحریک کی تھی اس نے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہجرت نہ کی تھی۔
لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رجل یسعیٰ نے ہجرت
کے خطرناک اور دشوار گزار سفر میں اخیر تک آپ کا ساتھ
دیا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق اول المہاجرین بھی
ثابت ہوئے اور ہجرت میں رَجُلٌ یَّسْعٰی بھی ثابت
ہوئے۔

(۲) دوسری جگہ سورۂ یٰسین میں رَجُلٌ یَّسْعٰی
کا یوں ذکر آیا ہے کہ:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرسلین میں سے ہیں اور
صراطِ مستقیم پر ہیں اور قرآن حکیم اللہ تعالیٰ عزیز رحیم کا
اتارا ہوا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کو
ڈرائیں جن کے باپ دادے ڈرائے نہ گئے تھے اور وہ
غفلت میں ہیں .... پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم
ہوا کہ وہ بستی والوں کی مثال بیان کریں۔ جس میں اللہ تعالیٰ
کے مرسلین آئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بستی والوں کی
طرف دو رسول بھیجے تو بستی کے باشندوں نے ان دونو
رسولوں کی تکذیب کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تیسرے
رسول کے ساتھ قوت دی تھی۔ جب تینوں مرسلین نے اپنے
دعویٰ رسالت کو ان کے روبرو پیش کیا تو انہوں نے
کہا۔ تم تو ہماری طرح بشر ہو اور رحمان نے کچھ نازل نہیں
کیا تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب
جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف مرسل ہیں اور ہمارے ذمہ صرف
کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تم
سے بدشگونی لی ہے۔ اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار
کریں گے اور ہماری طرف سے تم کو دردناک عذاب پہنچیگا۔
مرسلین نے کہا تمہارا بدشگون تمہارے اپنے ساتھ ہے۔ کیا تم
نصیحت نہیں کئے گئے بلکہ تم حد سے نکل جانے والی قوم ہو۔
اس کے بعد رَجُلٌ یَّسْعٰی والی آیت آتی ہے:-

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ
یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِیْنَ ○ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا
یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○
وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ
وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ
الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ
شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ○
اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○
اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ○
قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ
یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ○ بِمَا
غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ
الْمُکْرَمِیْنَ ○ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ ○
(یٰسین: ۲۱ تا ۲۹ ع۲)

ترجمہ:- اور اس شہر کے دوسرے کنارے
سے ایک مرد دوڑتا ہوا، سعی کرتا ہوا،
کوشش کرتا ہوا آیا اور کہا اے میری قوم!
مرسلین کی پیروی کرو۔ اُن شخصوں کی پیروی
کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ
ہدایت یافتہ ہیں۔ اور مجھے کیا ہوا ہے کہ
میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے
مجھ کو پیدا کیا اور تم اُسی کی طرف پھیرے
جاؤ گے (رجوع کرو گے)۔ کیا میں سوائے اسکے
کوئی اور معبود بنا لوں اگر رحمان مجھے نقصان
اور ضرر پہنچانا چاہے تو مجھے انکی سفارش
کچھ فائدہ نہ دے گی اور نہ ہی وہ مجھے

اس سے پھر سکیں گے۔ اگر میں ان معبودوں
کی عبادت کروں تب تو میں ظاہراً اور
کھلی کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تو تمہارے
رب پر ایمان لایا ہوں بس مجھ سے سنو۔
اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہوجا۔ اس
نے کہا کاش میری قوم اس بات کو جانتی کہ
میرے رب نے مجھ پر کس قدر بخشش فرمائی
ہے اور مجھے مکرمین یعنی معززین میں سے
بنا دیا ہے۔ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم
پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا تھا
اور نہ ہی ہم اتارنے والے تھے۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرسلین کی تکذیب کے وقت
اللہ تعالےٰ کسی ایسے مرد کو کھڑا کر دیتا ہے جو کہ ان کی تائید
و نصرت میں ہمہ تن مصروف ہو کر سعی کرتا ہے اور ان کے
کام میں مدد کرتا ہے اور وہ ان کا اول درجے کا خیرخواہ
اور جاں نثار ہوتا ہے اور حکمت کے ساتھ اپنی قوم کو
اللہ تعالےٰ کا پیغام پہنچاتا ہے اور اس میں وہ کسی لومۃ لائم
کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ توحید الٰہی کا وعظ کرتا ہے اور
معبودانِ باطلہ کی تردید کرتا ہے۔ اور اس پر وہ اسقدر
ثابت قدمی اور استقلال دکھاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُسے
جنت میں داخل کرتا ہے اور وہ مکرمین یعنی معززین اور
مقربین الٰہی میں شمار ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح
میں ایسے ہی مردِ خدا کو رجل یسعیٰ پکارا گیا ہے۔
اسلام میں اول المومنین اور اول المہاجرین اور اول الخلفاء
حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ اور سعی سے ابتداءً اسلام میں
حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت
سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت طلحہؓ
بن عبیداللہ جیسے جلیل القدر اور عالی مرتبہ اصحاب ایمان لائے
تھے جو کہ عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپؓ نے
قریش کے بعض مسلمان غلاموں کو اپنے مال سے آزاد کروایا
تھا مثلاً حضرت عامرؓ بن فہیرہ جو کہ بوقتِ ہجرت شروع سے
لیکر اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ساتھ
رہے اور بیئر معونہ کے موقع پر شہید ہوئے۔ اور بوقتِ
شہادت "فزت ورب الکعبۃ" (بخدا میں کامیاب
ہوگیا) کہنے والے جاں نثار ملازم حضرت ابوبکرؓ تھے۔ مردِ
خدا حضرت ابوبکرؓ کی تمام مالی اور جانی خدمات کا یہاں ذکر
کرنا ناممکن ہے۔ جبکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کی
مالی اور جانی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں جیسا کہ اوپر مندرجہ
حدیث میں ذکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن بھی آپؓ
ہی رجل یسعیٰ ثابت ہوئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم وفات پا گئے تو صحابہ کرام مسجد نبوی میں جمع ہوگئے۔
آپؐ سے عشق اور محبت کی وجہ سے بعض صحابہ آپؐ کی وفات
کی خبر پاکر دیوانہ وار ہوگئے اور انہیں آپ کی وفات کا
یقین نہیں آتا تھا۔ حضرت عمرؓ اس وقت وہاں یہ کہتے
ہوئے پائے گئے کہ اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
وفات یافتہ کہا تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔
بنوہاشم اور بنوامیہ، قریش، مہاجرین اور انصار وہاں
موجود تھے لیکن اس مجمع میں کسی شخص کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان کرے۔ اس
وقت حضرت ابوبکر صدیق مدینہ کے دور کنارے پر یعنی اقصا
المدینہ میں گئے ہوئے تھے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کا علم نہ تھا۔ تب کسی صحابی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ
کے پاس جاکر اطلاع دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے
ہیں اور صحابہ کرام مسجد نبوی میں جمع ہیں اور حضرت عمرؓ تلوار
لیکر ادھر ادھر پھر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس نے کہا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے میں اس کی گردن تلوار

سے اُڑا دوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
بلا توقف اور بلا تردد اقصا المدینہ سے سعی کرتے ہوئے
اور دوڑتے ہوئے آئے اور سیدھے حضرت عائشہؓ
کے حجرہ میں چلے گئے اور حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔
کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں؟ - تو
انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں فوت ہو گئے۔ حضرت ابوبکر
صدیقؓ نے آنحضرتؐ کے چہرے پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا
تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی وفات پا چکے تھے۔
آپ نے حضورؐ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ آپ
زندگی میں بھی طیب تھے اور اب مرنے کے بعد بھی طیب ہیں
اس کے بعد سعی کرتے ہوئے سیدھے منبر پر جا چڑھے
حضرت عمرؓ نے آپ کے کپڑے کو پکڑ کر کھینچا۔ تاکہ وہ کہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان نہ کریں آپ
نے جھٹکا دے کر اپنے کپڑے کے دامن کو چھڑایا اور خطبہ میں
آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ع ۱۵) یعنی محمد صلی اللہ
علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے ایک رسول تھے۔ ان سے
پہلے اور بہت سے رسول گزرے ہیں اور سب کے سب
فوت ہو چکے ہیں۔ کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا مارے جائیں
تو تم لوگ اپنے دین کو چھوڑ جاؤ گے؟ اس آیت کے
پڑھنے کے بعد آپ نے فرمایا۔ من کان منکم یعبد
اللہ فان اللہ حیّ لا یموت یعنی جو تم میں سے
اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ
اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت وارد نہیں ہو سکتی
ومن کان منکم یعبد محمداً فان محمداً
قد مات ہاں جو کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی عبادت کرتا تھا تو اس کو میں بتا دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں

کہ جس وقت ابوبکرؓ نے آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
پڑھنی شروع کی تو میرے ہوش درست ہونے شروع
ہوئے۔ اور اس آیت کے ختم کرنے تک میری دونوں
آنکھیں کھل گئیں۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ تب میرے گھٹنے کانپنے لگے
اور میں نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ اس
وقت ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت آج نازل ہوئی
ہے۔ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد یہ پہلا فتنہ تھا جو کہ رجل یسعیٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ
کے ذریعہ مٹا تھا۔ ورنہ سب صحابہ کرامؓ وہیں موجود
تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ع

مردے بیروں آید و کارے بکند!

اسی روز اس فتنہ کے بعد اس سے بھی بڑا ایک اور
فتنہ پیدا ہونے لگا یعنی سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار جمع تھے
اور وہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ اور بادشاہ مقرر کرنے کی
تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس فتنہ کا علم
ہوا اور وہ حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر بلا توقف اور
بلا تردد سعی کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ راستے میں حضرت
امین الملت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔
وہاں پہنچتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیا کہ خلیفہ
تو قریش مہاجرین میں سے ہونا ہے۔ اس پر بعض انصار
نے کہا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے اور ایک خلیفہ
انصار میں سے بنا لیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے
فرمایا کہ ایک وقت میں دو خلیفے نہیں ہو سکتے کچھ گفتگو
کے بعد وہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت خلافت
شروع ہو گئی۔ جو کہ ابتدا میں حضرت عمرؓ اور حضرت
ابو عبیدہؓ اور بعض انصار نے کر لی۔ اور بعد ازاں جملہ
مہاجرین اور انصار نے آپ کی بیعت خلافت کر لی۔ یہ
دوسرا بہت بڑا فتنہ بھی رجل یسعیٰ حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی مساعی جمیلہ سے شروع میں ہی مٹ گیا تھا۔ اس موقع پہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مع دیگر مہاجرین ساتھیوں کے وہاں نہ پہنچتے تو انصار نے اپنا خلیفہ سعد بن عبادہؓ کو بنا لینا تھا جس کو حسب فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین نے تسلیم نہیں کرنا تھا۔ اس پر مہاجرین اور انصار میں سخت قسم کی جنگ چھڑ جانے کا فوری اندیشہ تھا جس کو اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے ملیامیٹ کر دیا اور رجل یسعیٰ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منتخب ہو کر مکرمین اور معززین میں ثابت ہوئے۔ اور پھر سورہ نور میں اللہ تعالےٰ کا وعدہ خلافت آپ کے ذریعہ پورا ہوا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی اسلام میں رجل یسعیٰ تھے اور آیات متعلقہ رجل یسعیٰ

"نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا"

(حضرت مسیح موعودؑ)

"طوفان نوحؑ کی یاد تازہ ہوگئی ہے" (نامہ نگار نوائے وقت)

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ اپنی ذات کی شناخت کے لئے ہر زمانہ میں اپنے برگزیدوں کی معرفت پیشگوئیاں شائع کراتا ہے تا ان کے پورا ہونے پر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اسکی قدرتوں پر یقین میں ترقی کریں۔ مغربی پاکستان کے حالیہ سیلاب کے سلسلہ میں ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۱۹۰۷ء کی شائع کردہ پیشگوئی کے الفاظ درج کرتے ہیں اور دوسری طرف گوجرانوالہ کے نامہ نگار روزنامہ نوائے وقت لاہور کا اعتراف درج کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

پیشگوئی کے الفاظ

"وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کیساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جسکے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔" (حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

پیشگوئی کے پورا ہونے کا اعتراف

"حالیہ سیلاب سے جو مسلسل چھتیس گھنٹوں کی بارش اور دریاؤں اور نالوں کی طغیانی سے ضلع کے طول و عرض میں آیا طوفان نوحؑ کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ یہ ایک قہر خداوندی تھا جس نے قیامت برپا کر دی۔ اور ہر طرف سے آہ و فغاں، نالہ و فریاد کی صدائیں آنے لگیں۔ گاؤں کے گاؤں زیر آب آگئے۔ میلوں تک پانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بڑے بڑے دیہات اور قصبات ایک دوسرے سے کٹ گئے۔ کوئی کسی کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ یہ روح فرسا اور خوفناک مناظر انتہائی عبرتناک تھے۔"

(نوائے وقت ۱۴ ستمبر ۱۹۵۵ء)

"جماعت اسلامی" سے علیحدہ ہونے والوں کی بھرمار

مولانا مودودی صاحب کے سامنے ایک اہم سوال

آجکل "جماعت اسلامی" سے علیحدگی اختیار کرنیوالوں کا اخبارات میں چرچا ہو رہا ہے۔ جناب سعید ملک صاحب کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی بھی مستعفی ہو چکے ہیں۔ "نوائے وقت" کی لائلپور کی خبر ہے کہ:-

"جماعت اسلامی لائلپور کے چار اور ارکان مولانا عبدالغفار حسن سابق قائم مقام صدر جماعت اسلامی پاکستان، میاں فضل احمد امیر جماعت لائلپور، مولانا مصطفیٰ صادق سابق ایڈیٹر روزنامہ تسنیم لاہور، اور شیخ محمد صدیق آج جماعت اسلامی کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔ مولانا عبدالرحیم اشرف اور چودھری عبدالحمید پہلے ہی مستعفی ہو چکے ہیں۔ مستعفی ہونے والوں کو مرکزی مجلس عاملہ سے اختلافات تھے اور انہیں امیر جماعت کے غیر جمہوری رجحانات پر اعتراض تھا۔ خیال ہے کہ یہ ارکان اب کوئی متوازی تنظیم قائم کریں گے۔"

(نوائے وقت ۲۳ر اگست ۵۸ء)

جہاں تک جماعت اسلامی کے اندرونی معاملات کا تعلق ہے وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ مگر اس طرح علیحدگی کے مرحلہ پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے جس کا ساری پبلک سے تعلق ہے۔ وہ سوال اسلئے پیدا ہوتا ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے "جماعت اسلامی" کی بنیاد رکھتے ہوئے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ:-

"ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کس خارزار میں قدم رکھ رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔ نہیں یہاں پیچھے ہٹنے کے معنے ارتداد کے ہیں۔"

(رسالہ روداد جماعت اسلامی حصہ اول ص۸)

اب سوال یہ ہے کہ جب مولانا مودودی کی جماعت اسلامی کے "خارزار" سے مندرجہ بالا ارکان بلکہ اور بھی صدہا افراد الگ ہو رہے ہیں تو کیا مولانا مودودی صاحب ان سب کو مرتد قرار دیکر انہیں ارتداد کی سزا کا مستحق ٹھہرائیں گے؟ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جناب مودودی صاحب نے ارتداد کی سزا قتل بیان کی ہوئی ہے۔ یہ صورت حال بہت تشویشناک ہو گی اگر آپ حکومت کے ڈر سے مولانا اس سزا کے اعلان سے گریز کرتے ہوں تو اتنا تو ضرور ہے کہ وہ اپنی احتیاطی تشریح کے مطابق ان علیحدہ ہونے والوں کے ازروئے حقیقت ارتداد مرتد ہونے اور عذاب جہنم کے مستحق ٹھہرنے کا اعلان تو فرما دیں۔

امید ہے کہ اسلامی جماعت کے حلقے اس ضروری سوال کو جلد تر حل فرمائیں گے۔ کیونکہ اس سے بہتوں کی جان اور عاقبت کا مسئلہ وابستہ ہے +

بیرونی ممالک میں غیر مبایعین کے "تبلیغی مشنوں" کی حقیقت

"تمام مشنوں کا بیڑہ غرق ہو گیا اور بڑی محنت سے بنائی ہوئی جماعتیں ختم ہو گئیں"

(مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی)

"امام مسجد ووکنگ کو کام کرنے سے پیشتر یہ سوگند لینی پڑتی ہے کہ میں بحیثیت عقیدہ اہل سنت و الجماعت ہوں۔ گویا احمدیت کو اخفاء میں رکھنا پڑتا ہے۔"
(چودھری ظہور احمد سیکرٹری مکتبہ احمدیہ لاہور)

یہ حقیقت افروز مضمون محترم شیخ خورشید احمد صاحب نائب ایڈیٹر روزنامہ الفضل نے تحریر کیا ہے جسے الفضل سے شکریہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے ———— (ایڈیٹر الفرقان)

حال ہی میں منکرین خلافت کے اخبار "پیغام صلح" نے اپنی "تبلیغی کارگزاری" بتاتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:-

"ووکنگ کے علاوہ ہمارے اور بھی کئی مشن ہیں۔ ہالینڈ۔ جرمنی۔ امریکہ۔ انڈونیشیا اور کئی مقامات پر ہمارا کام جاری ہے۔"
(پیغام صلح ۷ اگست ۱۹۵۶ء صـ۱۲)

اس دعویٰ کی حقیقت اگر خود منکرین خلافت کی تحریروں کی روشنی میں ہی دیکھی جائے تو وہ یہ ہے۔

(۱) جہاں تک غیر مبایعین کے امریکن مشن کا تعلق ہے اس کی "یتیمی کی حالت" کا اعتراف تو پیغام صلح نے خود اسی پرچہ میں کر لیا ہے جس میں اس نے مندرجہ بالا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ ۷ اگست ۱۹۵۶ء ہی کے پیغام صلح کے صـ۳ پر یہ الفاظ چھپے ہوئے موجود ہیں:-

"افسوس ہے کہ ہماری انجمن نے اپنی توجہ امریکن مشن سے ہٹا لی ہے اور اب یہ مشن یتیمی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔"

گویا پیغام صلح نے اپنے جس پرچے میں امریکہ میں تبلیغی کام جاری ہونے کا دعویٰ کیا تھا اللہ تعالیٰ کے فائیانہ تصرف نے اسی پرچہ میں خود اسی کے ہاتھوں یہ اعتراف بھی کرا دیا کہ "وہ مشن یتیمی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔"

(۲) امریکہ کے نام نہاد تبلیغی کام کی حقیقت تو قارئین نے ملاحظہ فرما لی۔ اب باقی "تبلیغی کام" کی اصلیت بھی سُنیئے۔ اور لطف یہ کہ خود منکرین خلافت ہی کی زبان قلم سے سُنیئے۔

غیر مبایعین کے مایۂ ناز مبلغ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی غیر مبایعین کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"اخبار میں موٹی سرخی دی جاتی ہے کہ ذیلی ممالک میں ہمارا مشن کھل گیا اور مبلغ کو

دیگر اخراجات تو ایک طرف سالہا سال
تک تنخواہیں بھی نہیں ملتیں۔ یہ حال ہے
امریکن مشن کا۔ برلن کے امام ہو بہو ہم کا
تار میں نے خود ووکنگ میں پڑھا کہ میری
بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے میرے
پاس ایک پائی نہیں۔ خدا کے لئے مجھے کچھ
بھجواؤ۔ انجام جو کچھ ہوا وہ آپ کے
سامنے ہے کہ وہ مبلغ احمدیوں کا دشمن
ہو گیا اور آپ کا لکھوکھہا روپیہ برباد
ہو گیا۔ مرکز کے اس سلوک کرنے نے
تمام مشنوں کا بیڑہ غرق کر کے رکھ
دیا۔ بڑی محنت سے بنائی ہوئی جماعتیں
ختم ہو گئیں .... اسی کا ماتم انڈونیشیا
کا برباد شدہ مشن کر رہا ہے۔ آنے
والی نسلیں ان آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر
مرکز کے کرتا دھرتا لوگوں کی نالائقی پر
آنسو بہائیں گی کہ یہاں احمدیہ انجمن
اشاعت اسلام کا مشن ہوا کرتا تھا۔
کیا یہ تبلیغِ اسلام کا دعویٰ کرنے
والی جماعت کے لئے مقامِ ذلت
نہیں کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ میں
ان مشنوں کی کامیابی کا ڈھنڈورہ
پیٹتی ہے۔ جن کا دنیا میں کوئی وجود
نہیں۔ اور جماعت کو دھوکہ دے کر
چندے وصول کرتی ہے۔" (ٹریکٹ
آخری التماس از مولانا عبدالحق صاحب
ودیارتھی)

ایک دوسرے غیر مبائع چوہدری ظہور احمد صاحب سیکرٹری
مکتبہ احمدیہ لاہور اپنے تبلیغی کام کی حقیقت واضح کرتے
ہیں:-

"جرمن مشن بند ہو چکا ہے۔ امریکن مشن
کی جو حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ
نہیں۔ وہاں مسجد کی تعمیر کے لئے بھی
تگ و دو ہوئی مگر اس ذمہ داری سے
بھی آپ غافل ہیں۔ مبلغین کی کارگزاری
کی رپورٹ کبھی مژدہ جانفزا ثابت نہیں
ہوئی۔" (کھلی چٹھی بنام سیکرٹری احمدیہ
انجمن اشاعت اسلام لاہور)

(۳) اب لے دے کے صرف ایک ووکنگ مشن
رہ جاتا ہے جسے پیغام صلح جماعت احمدیہ لاہور کی شاخ
قرار دیتا ہے (پیغام صلح ۱۹ مئی ۱۹۵۷ء) اور
اکثر ایک "عظیم کارنامہ" کے طور پر پیش کیا کرتا ہے۔
بلکہ گزشتہ سال اس نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ اکیلا
ووکنگ مشن

"اپنی اہمیت اور عالمگیر اثر و اقتدار
کے لحاظ سے میاں صاحب کے تمام مشنوں
پر فائق ہے۔"

سو اس مشن کا منکرین خلافت کے ساتھ جو تعلق ہے
اور وہاں پر یہ لوگ جس طرح منافقت سے کام لے
رہے ہیں اس کی حقیقت بھی انہیں چوہدری ظہور احمد صاحب
سیکرٹری مکتبہ احمدیہ کی زبانِ قلم سے سنیئے۔ وہ لکھتے
ہیں:-

"اخبار پاکستان ٹائمز کے نامہ نگار نے
امام مسجد ووکنگ سے دریافت کیا کہ
اس مشن کا تعلق کس انجمن سے ہے؟۔
انہوں نے فرمایا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔
صرف لاہور کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
ہمارے اخراجات کی کمی کو پورا کر دیتی

ہے اور بس۔ خدا کی شان جس مشن کے قیام کے لئے جماعت نے اس قدر قربانی کی حالانکہ اگر غیور احمدی جماعت چاہتی تو اس قسم بانی سے الگ جگہ حاصل کر سکے یہ تمام کاروبار بڑی کامیابی سے چلا لیتی۔ اور باوجودیکہ آپ سے بڑھ کر اور کس کو علم ہے کہ ہر امام کو وہاں کام کرنے سے پیشتر سوگند لینی پڑتی ہے کہ میں بحیثیت عقیدہ اہل سنت والجماعت ہوں۔ گویا احمدیت کو اخفاء میں رکھنا پڑتا ہے۔ مگر آپ کو یہ حالت بھی قابل قبول ہے ؟" (کھلی چٹھی بنام سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

گویا جس مشن کو پیغام صلح اپنی جماعت کی شاخ قرار دیتا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ وہاں پر ان لوگوں کو اپنے عقیدے کے اظہار کی بھی جرأت نہیں۔

مندرجہ بالا حوالے کسی اور کے نہیں ہیں کہ انہیں تعصب، مخالفت یا مبالغہ کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یہ سب حوالے خود غیر مبایعین کے، بلکہ ان کے ایسے بزرگوں اور اکابرین کے ہیں جو آج بھی ان کے گروہ میں قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔ ان حوالوں میں کھلے الفاظ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ:۔

۱۔ منکرین خلافت کا امریکی مشن یتیمی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔

۲۔ انڈونیشیا کا برباد شدہ مشن ان کی انجمن کا ماتم کر رہا ہے۔

۳۔ جرمن مشن بند ہو چکا ہے۔

۴۔ ووکنگ مشن کی احمدیت دشمنی کا یہ حال ہے کہ امام مسجد ووکنگ کو وہاں کام کرنے سے پیشتر یہ قسم کھانی پڑتی ہے کہ اس کا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سے کوئی اعتقادی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ بحیثیت عقیدہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

۵۔ الغرض بالفاظ مولانا عبدالحق ودیارتھی منکرین خلافت کے قائم کردہ

"تمام مشنوں کا بیڑہ غرق ہو رہا ہے اور بڑی محنت سے بنائی ہوئی جماعتیں ختم ہو رہی ہیں"

اور ان کی انجمن "ایسے مشنوں کی کامیابی کا ڈھنڈورہ پیٹتی ہے جن کا دنیا میں کوئی وجود تک نہیں ہے"

اگر انہی حالات کا نام "تبلیغی کام" ہے جسے پیغام صلح بصد فخر پیش کرتا ہے تو یہ تبلیغی کام اسے ہی مبارک ہو۔

ضروری اطلاع

(۱) رسالہ الفرقان کی تاریخ اشاعت ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ مقرر ہے۔ یہ خاص نمبر سیلاب کی وجہ سے ستمبر اور اکتوبر ۵۵ء کا اکٹھا شائع ہو رہا ہے۔

(۲) یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ رسالہ کا سالانہ چندہ (پانچ روپے پاکستان سے اور سات روپے دیگر ممالک سے) پیشگی وصول ہونے پر ہی رسالہ جاری کیا جائے گا۔

(۳) پرانے بقایادار احباب سے درخواست ہے کہ اپنا بقایا جلد ادا فرماویں۔

(مینیجر الفرقان۔ ربوہ)

صداقت احمدیت کا ایک اور تازہ ثبوت

"ایک خوفناک سازش"

"بعض مذہبی رہنماؤں کا افسوسناک کردار"

معزز قارئین کرام! مذکورہ بالا دونوں عنوان اخبار "نوائے پاکستان" لاہور کی اشاعت ۱۸ راگست اور ۲۲ راگست ۵۰ء میں شائع ہونے والے مقالہ افتتاحیہ کے ہیں۔ ہم اس مقالہ سے ذیل میں تین اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ایک اقتباس شیعہ اخبار "صداقت" گوجرہ کا بھی شامل ہے۔ ان سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح دشمنانِ احمدیت کے منصوبوں کو خاک میں ملاتا ہے کبھی ان کے پروگرام کو "تباہ کن سیلاب" سے معطل کر دیتا ہے اور کبھی ان کے اپنے ہاتھوں وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (الانعام: ۶۵) کا نظارہ پیدا کر دیتا ہے اور اس طرح جماعت احمدیہ کی حفاظت فرماتا ہے۔ یہ واقعات ایک عقلمند کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تحریک احمدیت کی صداقت پر ایک واضح اور بین دلیل ہیں۔ اے کاش لوگ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ بہرحال اقتباسات درج ہیں:

اوّل - مدیر صاحب "نوائے پاکستان" لکھتے ہیں:-

"سب سے پہلے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملک میں شیعہ سنی، دیوبندی، بریلوی وغیرہ عنوان پر مسلمانوں میں جو خطرناک قسم کی کشیدگی اور خلفشار پائی جاتی ہے اس کی عمر تین چار سال سے زیادہ نہیں ہے ۴۸ء کے بعد ملک میں یکایک چھوٹے چھوٹے فرقوں اور مختلف مذہبی گروہوں کا باہمی تصادم دراصل ۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کا جواب ہے۔"

(۱۸ راگست ۵۰ء)

گویا انہیں تسلیم ہے کہ فسادات کے تازہ واقعات دراصل ۵۳ء کی تحریک کا جواب ہیں۔ مگر یہ بھی تو غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم جماعت احمدیہ کی طرف سے کس طرح یہ جواب دیا ہے۔

دوم - ایڈیٹر صاحب "نوائے پاکستان" لکھتے ہیں:-

"اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ تحریک کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت اور جمعیۃ اہل حدیث نے مل کر اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ ۱۹۵۳ء کی طرح علماء کرام کو پھر ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے مجلس عمل کی از سر نو تشکیل کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ دعوت نامے جاری کئے گئے اور علماء کرام کے نمائندہ اجتماع کا مکمل انتظام کر لیا گیا۔ لیکن ۵۰ء کے تباہ کن سیلاب نے یہ پروگرام معطل کر کے رکھ دیا۔ بعد ازاں جب ظاہری حالات ناسازگار رہے تو بعض مذہبی جماعتوں سے اس

قسم کے واضح فیصلے کرائے جاچکے تھے کہ وہ کسی بھی دوسری مذہبی جماعت سے ہرگز ہرگز تعاون نہ کرے گی۔

ظاہر ہے کہ ایسے افسوسناک ماحول میں یہ توقع عبث تھی کہ اجتماعی طور پر کوئی دینی کام کیا جاسکے! چنانچہ علماء کرام یا مذہبی جماعتوں کے باہمی تشتت و افتراق سے فائدہ اٹھا کر اسلام دشمن طاقتوں کو کھل کر غیر اسلامی نظریات کی اشاعت کا موقع مل گیا۔ اور اشاعتِ اسلام کے مؤثر طریقوں کا سدّباب ہوگیا۔!" (۲۲ر اگست)

قدرت کا یہ ہاتھ بھی خدا ترس انسانوں کے لئے بہت بڑے اشارات پر مشتمل ہے۔

سوم۔ ایڈیٹر صاحب "نوائے پاکستان" نے لکھا ہے:۔

"الغرض اسلام دشمن طاقتوں نے ملک سے حق و صداقت کے وسیع اثرات زائل کرنے کے لئے مذہبی رہنماؤں میں پھوٹ ڈال دی اور اسلامی محاذ میں شگاف پیدا کردیئے —— ! بس پھر کیا تھا ملک میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ سنی، بدعتی اور وہابی وغیرہ عنوان پر ایسے ایسے جھگڑے اور تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے کہ ملک کا گوشہ گوشہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ اور نوبت باین جا رسید کہ اسی بہاولپور ڈویژن میں دیوبندی، بریلوی تنازعہ کے سلسلہ میں پانچ مسلمان موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے اور اب یہ کہ شیعہ سنی عنوان پر چھ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی"!

(۱۸ر اگست ۵۵ء)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ دے کہ وہ اس جبر و تشدد سے باز آئیں اور ملت کے شیرازہ کو درہم برہم ہونے سے بچائیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ شر پسند علماء کو روکا جائے۔

چہارم۔ ایڈیٹر صاحب "صداقت" گوجرہ لکھتے ہیں:۔

"تنظیم اہل السنت کی سرگرمیاں ملک کی سالمیت اور اتحادِ اسلامی کے خلاف ہیں۔ یہ جماعت پاکستان میں شیعہ سنی میں تفریق پیدا کرکے اسلام کے دو عظیم الشان فرقوں میں ہندو مسلم کی طرح اختلاف ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ اس جماعت کے مقررین ملک بھر میں شیعہ مذہب کے خلاف اس انداز سے تقاریر کرتے ہیں کہ سنی عوام شیعہ کو اسلام کے لئے ایک شدید خطرہ تصور کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حکومت کی نرم پالیسی کا نتیجہ یہ رہا کہ ختم نبوت کی تحریک میں شکست کھانے کے بعد پاکستان کے بدترین دشمن احراری ملّاؤں کو تنظیم اہلسنت کی سٹیج پر جگہ مل گئی۔ مولوی محمد علی جالندھری، لال حسین اختر، احسان شجاع آبادی، غلام غوث ہزاروی اور دیگر احراری مقررین نے مرزائیت کی بجائے اب شیعیت کو نشانہ بنالیا" (۵ر ستمبر ۵۵ء)

الفرقان:۔

ہماری دعا ہے اللّٰھم انا نجعلک فی نحور الاعداء ونعوذ بک من شرورھم +

مکتبہ الفرقان کے علمی اور نادر تحفے!

۱۔ **بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ** ۔ اہل بہاء نے آج تک اپنی مزعومہ شریعت کو طبع نہیں کرایا۔ ہم نے اس شریعت کو محنت سے حاصل کر کے طبع کرا دیا ہے تاکہ بہائیت کی حقیقت سب لوگوں پر واضح ہو جائے۔ بہائیوں کو اسکے اصلی ہونے کا انکار کرنے کی جرأت نہیں۔ صفحات ۱۴۴۔

۲۔ **بہائی تحریک کے متعلق پانچ مقالے** ۔ یہ لاجواب مقالے ہیں جن میں بہائیوں کے عقائد، انکی تاریخ اور انکے اعمال کا جائزہ لیا گیا ہے اور انکی شریعت کا قرآنی شریعت سے موازنہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ صفحات ۲۵۶۔

ہر دو کتابوں پر متعدد اہل علم نے عمدہ تبصرے کئے ہیں۔ دونوں کی مجموعی قیمت چار روپے ہے۔

۳۔ **تفسیر سورہ مریم** ۔ یہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ کے اس درس کے نوٹ ہیں جو آپ نے ۱۹۵۳ء میں مسجد مبارک ربوہ میں دیا۔ قیمت ۱۲/

۴۔ **تحفۃ المتشیعین** ۳ ۔ از سید صادق حسین صاحب اٹاوی۔ قیمت ۶/

۵۔ **کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین** ۔ ختم نبوت کی تفسیر میں ایک جامع مگر نہایت مختصر مضمون ہے۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ ہزارہا کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ ایک نسخہ کے لئے ۲ کا ٹکٹ بھجوائیے۔ تقسیم کرنے کے لئے فی سینکڑہ آٹھ روپے قیمت مقرر ہے۔

۶۔ **نیا انکشاف** ۔ حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے متعلق برٹش انسائیکلوپیڈیا میں شائع شدہ تصاویر سے ایک نیا انکشاف پیش کیا گیا ہے۔ یہ مضمون انگریزی، عربی اور اردو میں اکٹھا ایک ہی ٹریکٹ میں شائع کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ کیلئے ۲ کے ٹکٹ اور فی سینکڑہ آٹھ روپے مقرر ہیں۔

۷۔ **الفرقان کے خاص نمبر** ۔ مندرجہ ذیل خاص نمبر موجود ہیں:۔ (آ) سیرۃ نمبر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پر سیر حاصل تبصرہ۔ (ب) قرآن نمبر۔ قرآنی علوم کے متعلق ایک جامع مجموعہ۔ (ج) خاتم النبیین نمبر۔ حضور علیہ السلام کے مقام خاتم النبیین کی مکمل تشریح۔ (د) ام الالسنہ نمبر۔ عربی زبان کے تمام زبانوں کا منبع ہونے کے دلائل۔ (ذ) جماعت اسلامی نمبر۔ مولانا مودودی صاحب کی جماعت کی تاریخ، عقائد اور مآخذ پر لاجواب تبصرہ۔

نوٹ:۔ ان میں سے ہر نمبر کی قیمت ایک روپیہ اور محصول ڈاک ۲/ ہے۔ پانچوں نمبروں کے منگوانے پر محصول ڈاک کی رعایت۔

۸۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی **جملہ تصنیفات** مکتبہ ہذا کی معرفت طلب فرمائیں:۔

احکام القرآن ۔ امثال القرآن ۔ رحمۃ للعالمین حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔ نایاب تحریریں۔

۱ے/ — ۱ے ۔ للعہ/ — ۱۲/ — ۱ے/

۹۔ **جماعتی تربیت اور اسکے اصول** ۔ یہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کا وہ قیمتی مقالہ ہے جو آپ نے انصار اللہ کے سالانہ جلسہ میں پڑھا تھا۔ یہ اس موضوع پر ایک بے مثال رسالہ ہے۔ قیمت پانچ آنے۔ ایک نسخہ کے لئے ساڑھے چھ آنہ کے ٹکٹ بھیجئے!

۱۰۔ **اسلام پر ایک نظر** ۔ یہ اطالوی مستشرقہ پروفیسر وگلیری کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ قابل دید کتاب ہے۔ قیمت مع محصول ڈاک ایک روپیہ۔

۱۱۔ **عقائد احمدیت اور انکی دس خصوصیات** ۔ آٹھ صفحوں کا ٹریکٹ ہے۔ فی نسخہ ۲/ فی سینکڑہ چار روپے۔

۱۲۔ **ان کے عقائد اور ہمارے اعمال** ۔ (آٹھ صفحات) مولانا عبدالماجد دریابادی کا جواب ہے۔ فی نسخہ ۲/ چار روپے سینکڑہ۔

مینجر مکتبۃ الفرقان ۔ ربوہ

(ابو العطاء اللہ دتہ جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر رسالہ الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)